فکر و نظر............ اسلام آباد　　جلد: ۴۸　　شمارہ: ۲

رہن سے انتفاع میں عرف کی رعایت

حافظ عابد محمود نظامی☆

ABSTRACT

'Rehan' mean to pledge a property (mal) under detention and suspension in consideration of a right available against its owner and which may be satisfied out of that property. It is merely a security against the loan.

Majority of the Muslim jurists viewed that the pledged property assumes the status of trust in the hand of mortgagee. If pledged property is destroyed or lost without negligence of mortgagee then he will be 'amin' (trustee) and will remain entitled to his debt which was due on mortgager. Jurists of Hanafi school of thought opined that in this case the loan will be lapsed from mortgager. If the value of the pledge exceeds the amount of the debt, the excess is in this case considered as a trust for which the pledgee will not be held responsible for its destruction. Because he is responsible after taking the pledged property in his possession. And the responsibility of pledge extended to the amount of the debt owing to the pledge.

In present day different types of loans are given by banks and traders. They required security against the loan or sale. For this purpose they get valuable goods or property as a mortgage. In this article different kinds of 'rehan' and 'buyu' (plural of bai which means sale) were mentioned. The main objective of this article is to show the authenticity of 'Urf ' in the source of classical and contemporary Islamic law. The special focus of the article is to explain the issues related to mortgager or mortgagee benefiting from pledge in the light of 'Urf' and the legitimacy of the topic according to the text of Qur'an and Sunnah as well as 'Ijma' and 'Qiyas'.

عنوان مقالہ ”رہن سے انتفاع میں عرف کی رعایت“ کا شرعی حکم بیان کرنے سے پہلے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رہن کے لغوی و اصطلاحی معانی اور قرآن، سنت اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں رہن

☆ صدر شعبہ اسلامیات، اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج کہوٹہ، ضلع راولپنڈی

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

کی قانونی حیثیت، اقسام رہن و بیوع جن میں رہن کو بطور گارنٹی استعمال کیا جاتا ہے، کو بیان کیا جائے:

۱۔ رہن کے لغوی معانی:

رہن سے گروی اور شے مرہونہ مراد ہے (مصدر مفعول کے معنی میں ہے)۔ اس کی جمع رھان اور رُہُنٌ ہے۔(۱)

"رھنته الشیء" و "اَرْھَنْتُه الشیء" دونوں کا معنی ایک ہے یعنی میں نے اس کے پاس چیز رہن رکھی (ملخصاً)(۲) ابن سیدۃ نے: "رھنه" کا معنی "أدامه" سے کیا ہے یعنی اس نے ہمیشہ رکھا۔(۳)

کہا جاتا ہے: "**ارھنت لھم الطعام والشراب**" اس کے معنی ہیں میں نے ان کے لیے کھانے پینے کا مستقل ذمہ لیا، ایسے کھانے کو طعام راھن کہا جاتا ہے۔(۴) حبس یعنی روکنے میں ثبوت اور دوام کے معانی پائے جاتے ہیں، اس لیے رہن کے لفظی معنی حبس کے ہوئے۔(۵)

ماوردی، مرغینانی اور کاسانی وغیرہ کی رائے میں رہن شے کے روکنے کا نام ہے، ہدایہ میں ہے: "**الرھن لغۃً حبس الشیء بای سبب کان**"(۶) سبب کوئی بھی ہو مطلق شے کے روکنے اور قید کرنے کو رہن کہتے ہیں۔

علامہ سید شریف جرجانی نے لکھا ہے: "**الرھن ھو فی اللغة: مطلق الحبس**"(۷)، محبوس اور گروی کے معنی کی تائید قرآن و سنت سے ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "**کل نفس بما کسبت رھینة**"(۸) کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں مؤمن کی جان قرض کی وجہ سے قید رہے گی، حتیٰ کہ اس کی طرف سے قرض کو ادا کر دیا جائے: "**نفس المؤمن مرھونة بدینه حتی یقضی عنه دینه**"(۹) یعنی یہاں مرہونہ کے معنی "**محبوس فی القبر**" یعنی قبر میں بند رہنے کے ہیں اور رہن کے دوسرے معانی بھی انجام کار پہلے معانی کو مستلزم ہیں کیوں کہ محبوس ہونا بھی اپنی جگہ پر قائم رہنا اور وہاں سے نہ ہٹنا ہے۔(۱۰) چنانچہ مرہونہ قرض دینے والے کے ہاتھ میں اس وقت تک قید رہتی ہے، جب تک وہ اپنا قرض وصول نہ کر لے۔ مرتہن کو رہن پر محض قبضے اور حبس کا حق ہے۔ مرتہن کا انتفاع حبس اور قبضے کے خلاف ہے، اسی پر رہن کے لغوی معنی دلالت کرتے ہیں اور یہی لغوی معنی شرعاً بھی ملحوظ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رہن میں ثبوت و دوام، گروی رکھنا، محبوس کرنا، ہمیشہ کا ذمہ لینا کے معانی پائے جاتے ہیں اوریہ ثلاثی مجرد یا مزید فیہ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ رہن کی اصطلاحی تعریف:

دیب الحضری نے **قاموس الالفاظ الاسلامیة** میں رہن کے متعلق لکھا ہے :

[Rahn] pledging or pawning .A legal term which signifies the detention of a thing on account of a claim which may be answered by means of that thing: as in the case of debt.(۱۱)

اس تعریف سے معلوم ہوتا کہ رہن ایک قانونی اصطلاح ہے اور مالی مطالبہ کی وجہ سے کسی شے کے قید کرنے اور روکنے کو ظاہر کرتی ہے اوراس مطالبہ کو اس چیز سے پورا کیا جاتا ہے۔ علامہ سید شریف جرجانی نے اس کی شرعی تعریف میں لکھا ہے:

"الرھن فی الشرع حبس الشیء بحق یمکن اخذہ منہ کالدین"(۱۲)

شریعت میں رہن حق کے بدلے میں شے کو روکنا ہے، جس سے حق کا وصول کرنا ممکن ہو جیسے دین۔

مجلّہ میں ہے:

"الرھن حبس مال وتوقیفہ فی مقابل حق یمکن استیفاؤہ منہ ویسمی ذٰلک المال مرھونا ورھنا"(۱۳)

رہن مال کا روکنا ہے اور رہن کو مال کے مقابلے میں روکنا ہے تاکہ حق کی ادائیگی اس مال سے ممکن ہو سکے ایسے مال کو مرہون یا رہن (گروی شدہ) کہتے ہیں۔

تمام مکاتب فکر کے فقہاء نے رہن کی اپنے اپنے انداز میں اصطلاحی تعریف کی ہے، طوالت اور موضوع سے صرف نظر کے خوف کی وجہ سے محض چند تعریفات بیان کی ہیں۔ ذیل میں احکام رہن کے حوالے سے چاروں مآخذ: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے اجمال کے طور پر استدلال کیا گیا:

(ا) رہن قرآن حکیم کی روشنی میں:

قرآن حکیم میں واضح طور پر رہن رکھنے کا حکم ملتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍوَّلَمْ تَجِدُوا کَاتِبًافَرِھٰنٌ مَّقْبُوضَۃٌ فَأَنْ أَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًافَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ أَمَانَتَہٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ"(۱۴)

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے، تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر معاملہ کرو) پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتبار ہو، تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے، کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

(ب) رہن سنت نبی ﷺ کی روشنی میں:

رہن کے حوالے سے متعد د صحابہ اور صحابیات سے منقول احادیث ملتی ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "**اشتری رسول ﷺ طعاماً من یهودی بنسیئة و رهنه درعاً له من حدید**" یعنی حضور ﷺ نے یہودی سے ادھار پر طعام خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی۔ آپ ﷺ کی ایک روایت میں ہے: "**توفی النبی ﷺ و درعه مرهونة عند یهودی بثلا ثین صاعامن شعیر**"(۱۵) جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ تیس صاع(۱۶) جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت اسماء بنت یزید(۱۷)، حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے متعدد الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ بخاری، نسائی اور سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث متعدد الفاظ کے ساتھ حضرت انسؓ سے منقول ہے، الفاظ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے زیر کفالت اس وقت نو گھرانے تھے اور ان کے لیے صبح شام کے لیے صرف ایک صاع کھانا تھا۔(۱۸) حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جس سے معلوم ہوتا جب حضور ﷺ کا وصال ہوا، تو آپ کی زرع تیس صاع جو کے بدلے میں رہن تھی۔(۱۹)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "**الظهر یرکب بنفقته اذاکان مرهونا ولبن الدر یشرب بنفقته اذا کا ن مر هو نا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقة**"(۲۰) گروی رکھے ہوئے سواری کے جانور پر اس کے خرچے کے بدلے سواری کی جائے گی اور اس کا دودھ استعمال کیا جا ئے گا اور جو شخص سواری کرے گا یا دودھ کو پیئے گا جانور کا خرچہ اس کے ذمہ ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "**الرهن مرکوب ومحلوب**"(۲۱) گروی جانور سواری کیا ہوا اور دودھ دوہیا ہوا ہے۔

۴۔ حضرت ابوہریر ہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "**الرهن بما فیه**"(۲۲)

رہن اس قرض کے بدلے میں ہے، جس کے عوض مال رہن رکھا گیا۔

۵۔ حضرت عطاء سے روایت ہے: ''**ان رجلارهن فرسا فنفق فی یده فقال رسول** ﷺ**للمر تهن ذهب حقه**''(۲۳) ایک شخص نے مرتہن کے پاس گھوڑا رہن رکھا، جو اس کے قبضہ میں مر گیا، تو حضورﷺ نے مرتہن سے فرمایا کہ اس کا حق ختم ہو گیا۔

۶۔ حضرت معاویہ بن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''**لایغلق الرهن وان رجلا رهن دارًا بالمدینة الی اجل فلما جاء الا جل قال الذی ارتهن هی لی فقال رسول الله** ﷺ **لایغلق الرهن**''(۲۴) رہن کو بند نہیں کیا جائے گا اور ایک شخص نے مدینہ منورہ میں مقررہ مدت کے لیے گھر رہن رکھا، جب مدت پوری ہوئی، تو مرتہن نے کہا کہ یہ گھر میرا ہے، تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ رہن کو بند نہیں کیا جا ئے گا۔

ج۔رہن اجماع امت کی روشنی میں:

سفر میں رہن کے جواز پر فقہاء امت کا اجماع ہے(۲۵) البتہ اس میں اختلاف رائے اس امر میں ہے کہ حضر یعنی اقامت میں رہن جائز ہے یا نہیں؟ ابن منذر کے بقول مجا ہد کے علاوہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں(۲۶) **موسوعة الاجماع** میں ہے کہ ضحاک، مجاہد اور ظاہریہ نے آیت رہن سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ رہن رکھنا صرف سفر میں ہی جائز ہے(۲۷) جمہور فقہاء نے حضورﷺ کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے سفر اور حضر دونوں میں رہن کو جائز قرار دیا، ان کی رائے میں سفر کی قید اس لیے لگائی گئی کہ رہن کی زیادہ ضرورت سفر میں ہوتی ہے، کیوں کہ عموماً سفر کی حالت میں کاتب کا فقدان ہوتا تھا۔(۲۸)

د۔ رہن قیاس کی روشنی میں:

کفالت بالاتفاق جائز ہے اور اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ حق واجبی کفیل سے وصول کر لیا جائے تو کفالت کی وجہ سے وصول یابی کی جانب میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح رہن کی وجہ سے حق کو وصول کر لینے کی جانب پختہ ہو جاتی ہے تو رہن کوکفالت پر قیاس کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے کفالت جائز ہے، ایسے ہی رہن بھی جائز ہے۔(۲۹)

نتائج بحث:

رہن سفر اور حضر دونوں میں جائز اور ادلۂ اربعہ سے ثابت ہے، قرآن حکیم میں واضح طور پر سفر

میں رہن رکھنے کا حکم ملتا ہے، جبکہ اقامت کی حالت میں رہن کا ثبوت سنت نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سفر اور حضر دونوں میں رہن رکھنے پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہوا ہے، رہن کا حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے، زمانہ قدیم کی طرح آج کل کاتب اور کتابت کا فقدان نہیں رہا۔ لہذا معاملہ رہن خواہ سفر میں کیا جائے یا اقامت میں اس کو لکھ لیا جائے اور اس پر گواہی قائم کر لی جائے تو زیادہ مفید ہے۔

مالی نظام میں رہن کی حیثیت:

مالیاتی اداروں میں مختلف مقاصد کے تحت قرضے دیے جاتے ہیں، جن میں متعدد نوعیّتوں کی ضمانتیں درکار ہوتی ہیں، جن میں شخصی ضمانتیں، ذاتی ملکیتی جائیداد کی ضمانتیں، اشیاء رہن کی ضمانتیں وغیرہ شامل ہیں۔

عہد حاضر کے بینکوں، مالیاتی و تجارتی اداروں اور عوام الناس میں رہن کا چل چلاؤ بہت زیادہ ہے، بیوع میں بھی لوگ رہن سے کام لیتے ہیں اور گارنٹی دیتے ہیں۔

محمد حفیظ ارشد ملک☆ نے چند مقاصد کے تحت دیے جانے والے قرضوں کی نشاندہی درج ذیل چارٹ میں کی ہے، جن میں اسلامی مالیاتی نظام کے مطابق رہن کو بطور ضمانت (Guarantee) رکھا گیا ہے:

مالی تعاون کے طریقہ کار کا چارٹ

مقصد قرضہ	مالی تعاون کا طریقہ	مطلوبہ ضمانت
ا۔ ذاتی قرضہ	قرض حسنہ	ذاتی ملکیتی جائیداد (اس میں منقولہ (Movable) اور غیرمنقولہ (Immovable) جائیداد کو رہن رکھا جا سکتا ہے)
۲۔ سرمایہ عاملہ، تجارت و صنعت	مرابحہ	اشیاء کا رہن

☆ محمد حفیظ ارشد ملک کوٹ قاضی تحصیل تلہ گنگ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا خاندان علمی و روحانی اعتبار سے اپنے علاقے میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ایم اے اور ایم بی اے (امریکہ) کاسٹ اینڈ مینجمنٹ کے کورسز مکمل کیے۔ پندرہ سال تک اکاؤنٹنگ اور مالیات کے شعبہ میں بین الاقوامی پٹرولیم کمپنی میں کام کیا، متعدد ممالک کا سفر کیا۔ اسلام کے مالیاتی نظام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ خیراتی امور کے ساتھ بھی منسلک ہیں۔

۳۔ اشیاء سرمایہ کے لیے	مرابحہ (حقوق ملکیت)	کاغذات ملکیت کا رہن
۴۔ اشیاء و اجناس کی ترسیل کے لیے	مرابحہ واپس خریداری کا معاہدہ	کاغذات ملکیت کا رہن
۵۔ زمین کی اصلاح و ترقی	ترقیاتی چارج	زمین کا رہن
٦۔ اشیاء صرف کی خریداری	مرابحہ/بیع اقساط	ذاتی ضمانت (بذریعہ رہن ضمانت)(۳۰)

ذیل میں موجود نظام بینکاری تجارتی اداروں میں پائی جانے والی چند اقسام اور بیوع کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے جن میں رہن کو بطور سکیورٹی استعمال کیا گیا ہے:

ا۔ رہن السائل:

رہن کی یہ قسم، اسلامی ممالک کے قوانین میں پائی جاتی ہے اس کو "الرھن السائل" (Floating Mortgage)، " الرھن الساذج" (Simple Mortgage) اور "الذ مة السائلة" (Floating Charge) کا نام دیا جاتا ہے۔

مثلا مدیون اپنی گاڑی دائن کے پاس بطور رہن رکھوائے، لیکن گاڑی بدستور مدیون (راہن) کے قبضہ میں رہے اور وہ اس کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال بھی کرتا رہے، لیکن جب تک راہن مرتہن دائن کا قرض ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ اس گاڑی کو آگے فروخت نہیں کر سکتا اور اگر راہن مرتہن کا دین ادا کرنے سے قاصر ہو جائے، تو پھر مرتہن کو اس گاڑی کے بیچنے کا اختیار ہو گا، اس بیچنے کے حق کو "الذمة السائلة" (Floating Charge) کہا جاتا ہے۔(۳۱)

۱۸۸۲ء کے قانون انتقال جائیداد میں رہن کی اس قسم کو سادہ رہن کہا گیا ہے، اس کے مذکورہ قانون میں چند اور اقسام رہن کا ذکر ملتا ہے، تفصیلات کے لیے حاشیہ اور اس کے ذیل میں دیے گئے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔(۳۲)

رہن سائل (Floating Mortgage) میں کلائنٹ مرہونہ چیز مثلا مشینری یا گاڑی وغیرہ کے صرف کاغذات بینک کے پاس رکھوا دیتا ہے، یہ شرعا جائز ہے اسے چارج (Charge) پیدا (Creat) کر لینا کہتے ہیں۔(۳۳)

ڈاکٹر حافظ عبدارحیم☆ نے لکھا ہے کہ غیر منقولہ (Immovable) جائیداد میں کاغذات ملکیت کے قبضہ میں آجانے کو جائیداد کے قبضہ میں آجانے کے مترادف مانا جا سکتا ہے۔(۳۴)

شریعت نے قرض پر منافع کو ربا قرار دیا ہے اور ایسا رہن جس میں انتفاع کی شرط لگائی گئی ہو وہ اس حکم کے زمرے میں آتا ہے، اسی طرح رہن کے صحیح ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے، جیسا کہ آیت رہن میں: "فرهن مقبوضة"(۳۵) کے الفاظ آئے ہیں اسی بنا پر فقہاء نے رہن میں قبضہ کی شرط لگائی ہے۔(۳۶)

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے:

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے میں رہن بدون قبضہ جائز نہیں ہے۔(۳۷)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رہن کی اس قسم پر اپنی کتاب فقہی مقالات میں تفصیلی بحث کی ہے۔(۳۸) آپ نے دلائل سے ثابت کیا کہ قبضہ ہونے کے بعد راہن شے مرہونہ کو مرتہن کی اجازت سے عاریتاً واپس لے سکتا ہے، اس سے رہن فاسد نہیں ہوتا اور مرتہن کو شے کے واپس لینے کا حق رہتا ہے...... مگر رہن کی اس قسم میں مرتہن کو سرے سے قبضہ ہی نہیں دیا گیا، کیا اس صورت میں اس پر عاریت کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ ...... فقہاء کی رائے کے بقول اس پر عاریت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس لیے کہ رہن کی صحت کے لیے قبضہ شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پایا جاتا...... آپ نے عہد حاضر کے فقہاء کو چند امور پر غور و فکر کی دعوت دی ہے: جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ رہن السائل میں ملکیتی دستاویز پر قبضہ کیا جاتا ہے احتمال ہے کہ اس سے رہن تام ہو جائے اور پھر شے بطور عاریت راہن کے پاس رہے۔

۲۔ قبضہ کے شرط ہونے کی علت، مرہونہ کو بیچ کر دین وصول کرنا ہے اور رہن السائل میں ایگریمنٹ کے تحت مرتہن کو یہ سہولت میسر ہے، لہٰذا یہاں حسی قبضہ نہ ہونے کے باوجود قبضہ کا مقصد حاصل ہو رہا ہے۔

☆ ۱۹۶۴ء میں صوبہ پنجاب کے ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی، الشہادۃ العالمیہ اور دیگر کورسز کے علاوہ ایم اے (سوڈان) ایم فل (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی) اور پی ایچ ڈی (تفسیر) IUB-PK سے کیا۔ متعدد مقالات اور مضامین اور کتب کے مصنف ہیں۔ تقریباً ایک درجن کتب طبع ہو چکی ہیں جبکہ چند مزید زیر طبع ہیں۔ العبادۃ فی الاسلام، ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور القراء، الراشدۃ از مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ترجمہ کیا ہے اور قومی اور بین الاقوامی یونیورسٹیز اور تحقیقی اداروں میں تحقیق و تدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔

۳۔ مقصد رہن توثیق دین ہے اگر دائن خود شے کو راہن کے قبضہ میں رہنے دے اور اس سے صرف اپنے دین کی وصولی کا حق باقی رکھے تو اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

۴۔ رہن السائل میں راہن اور مرتہن دونوں کا حق محفوظ ہے، راہن انتفاع سے محروم نہیں ہوتا اور مرتہن کا حق ایگریمنٹ کے تحت اس شے سے وابسطہ اور محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ دوسرے غرماء کے مقابلے میں اس کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

۵۔ موجودہ عالمی تجارت میں بائع اور مشتری کے لیے بُعد فاصلہ کی وجہ سے مرہونہ پر قبضہ مشکل ہے، اس پر اخرجات زیادہ آتے ہیں، لہٰذا توثیق دین کے لیے رہن السائل کے علاوہ کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی۔

مفتی صاحب کا رجحان رہن السائل کے جواز کی طرف ہے، لیکن انہوں نے قطعی فیصلے کو علماء پر چھوڑا ہے۔(۳۹)

نتائج بحث اور ترجیحی رائے: مفتی صاحب کی رائے صائب معلوم ہوئی ہے، کیوں کہ کتاب و سنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہٰذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہو گی۔(۴۰)

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے کہ جس طرح مشتری (Customer) اپنی مملوکہ اشیاء رہن رکھوا سکتا ہے، اسی طرح ان اشیاء کی دستاویز اور کاغذات کا رہن رکھوانا جائز ہے۔(۴۱)

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے میں رہن کی ایسی تمام اقسام ناجائز ہیں جن میں محض رہن کی دستاویز مرتہن کے حوالے کر دی جاتی ہے اور مرتہن کو رہن پر قبضہ نہیں دیا جاتا کیوں کہ رہن بدون قبضہ جائز نہیں ہے(۴۲)

ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی☆ کی رائے میں شے مرہون کے کاغذات مرتہن کے پاس رکھوا دیے جائیں تو یہ حکمی قبضہ کی ایک صورت ہو گی، چنانچہ رہن سائل (Mortgage Floating) میں

☆ موصوف نے دورہ حدیث تخصص فی الافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے کیا اور پھر جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ رہے۔ عہدِ حاضر کے مالیاتی نظام پر متعدد تالیف ہیں۔ چند کتب یہ ہیں: تجارتی کمپنیوں کا لائحہ عمل، تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، اسلامی بینکاری اور غرر اور اسلامی بینکاری ایک حقیقت پسندانہ جائزہ۔

کلائنٹ مرہونہ چیز مثلا مشینری یا گاڑی وغیرہ کے صرف کاغذات بینک کے پاس رکھوا دیتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے اسے چارج (Charge) پیدا (Creat) کر لینا کہتے ہیں۔(۴۳)

کاغذی دستاویز پر مال کی تعریف صادق نہیں آتی نہ اس کو مال سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ مال کی محض سند ہے اس کے ذریعے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فلاں کے پاس اتنی مالیت ہے بذات خود دستاویز کوئی مال نہیں ہے۔(۴۴)

مرتہن کو مروجہ وثائق کے ذریعے توثیق دلوائی جا سکتی ہے اور دستاویز کے ذریعے شے کو قرض کے لیے مختص کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کا حق ہر اعتبار سے محفوظ رہے۔ قرض کے لیے شریعت نے دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے، جہاں دستاویز لکھنے کا بندوبست نہ ہو وہاں دستاویز کے متبادل کے طور رہن رکھنے کا حکم ہوا ہے، اس عہد میں سامان کتابت ہر جگہ موجود ہے، لہٰذا دستاویز لکھ کر دستاویز پر معاہدہ کیا جائے اور قرض کی ادائیگی کوقرض لینے والے کی کسی شے کے ساتھ بطور شرط خاص کردیا جائے، کیوں کہ اس شرط سے قرض لینے والے کو کوئی نقصان نہیں اور قرض دینے والے کا حق بھی محفوظ ہو جائے گا۔

عہدحاضر میں دستاویز، سندات اور دیگر وثائق کو جو قانونی حیثیت حاصل ہے وہ مسلمہ ہے، کرنسی وغیرہ جو سند کا درجہ رکھتی ہیں اس کے پس پردہ قانون کی عملداری کارفرما ہے۔ اسی بنا پر لوگ اس کا لین دین کرتے ہیں، یہی حال دیگر قانونی سندات کا ہے جن میں عدالتی و حکومتی توثیق ہوتی ہے، زمانہ قدیم میں سفر کے دوران مالی ضرورت پیش آتی جس کا حل رہن کے ذریعے دیا گیا اور اس کو قبضہ میں دینے کا مقصد توثیق دلانا تھا یہ توثیق ایسی دستاویز، سندات اور دیگر وثائق سے حاصل ہوسکتی ہے جن کے پیچھے عدالتی و حکومتی یقین دہانی موجود ہو۔

۲۔ رہن بیع بالوفاء (Mortgage by Conditional Sale):

رہن بیع بالوفاء میں ابتداء رہن معاہدہ ہوتا ہے مگر رہن کی یہ قسم حقیقت میں بیع ہے، اس میں قرض کی ادائیگی کی مدت طے کی جاتی ہے اور اگر مدت مقررہ تک قرض ادا نہ ہو سکے تو معاہدہ رہن، بیع کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔(۴۵)

لوگ قرض کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنا مکان یا دکان یا زمین اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ مکان وغیرہ کی قیمت چھ ماہ یا سال کے بعد مشتری (Customer) کو واپس کر کے اپنا مکان واپس لے لیں گے، پھر وہ مکان بدستور مقروض بائع (Seller) کی ملک میں آ جائے گا

فقہاء (احناف) اس کو بیع الوفاء(۴۶) اہل بخارا و اہل مصر بیع الامانت، شافعیہ اس کو رھن المعاد اور اہل شام اس کو بیع الاطاعۃ کہتے ہیں۔(۴۷)

المجلہ میں ہے: "**بیع الوفاء ھو البیع بشرط ان المشتری متی رد الثمن یرد البائع الیہ المبیع**"(۴۸) بیع الوفاء وہ ایسی بیع ہے جو اس شرط سے ہو کہ مشتری (Customer) جب ثمن (Price) کو لوٹائے، تو بائع (Seller) اس کو مبیع (Sold) لوٹا دے گا۔

بیع الوفاء بیع کے بیع یا رہن ہونے کے متعلق فقہاء میں اختلاف رائے ہے، ذیل میں ان دو پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا:

الف۔ بیع الوفاء کا رہن ہونا:

اکثر فقہاء بیع الوفاء رہن کے رہن ہونے پر متفق ہیں(۴۹) رہن کے حکم میں اور بمنزلہ رہن کہاہے۔(۵۰) بظاہر مشتری مگر مرتہن کے لیے بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ اس خریدی ہوئی مرہونہ شے سے نفع حاصل کرے۔(۵۱)

رد المختار میں رہن بیع الوفا کو چال کہا گیا ہے...... درحقیقت رہن ہے۔ اس میں (خریدار) مرتہن کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اورنہ ہی مالک کی اجازت کے بغیر وہ اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کر سکتا ہے اور بلا اجازت جو وہ پھل وغیرہ کھائے گا یا تلف کرے گا اس کا ضامن ہے۔(۵۲) بیع الوفاء کے تمام احکام رہن کی طرح ہیں، اس بیع کی اسم قسم کے احکام میں اور رہن کے احکام میں فرق نہیں ہے(۵۳) بلااجازت نفع اٹھانا رہا ہے۔

ب۔ بیع الوفاء کا بیع ہونا:

بعض فقہاء کی رائے میں اس کا بیع ہونا صحیح ہے، کیوں کہ ان معاہدہ کرنے والوں نے بیع کا لفظ استعمال کیا ہے اور لفظ کے بغیر صرف نیت کا اعتبار نہیں ہوتا...... پس اگر لفظ بیع کا بولا رہن کا نہ بولا تو جو لفظ بولا وہ ثابت ہو گا(ملخصا)۔(۵۴)

بیع الوفاء کا فاسد ہونا:

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ یہ بیع فاسد ہے کیوں کہ بائع (Seller) اور مشتری (Customer) کے مابین جو عقد ہوا ہے، وہ لفظ بیع سے ہوا ہے، اس لیے یہ رہن نہ ہوا اور عقد میں عاقدین نے بیع میں فسخ (Cancelation) کی شرط کو بیان کیا۔ اس لیے یہ بیع فاسد ہو

گی(۵۵) یہ بیع اس وقت فاسد ہو گی جب اس کے اندر شرط ہو اور وہ دونوں اس کو عقد لازم سمجھ رہے ہوں اگر بیع کے اندر شرط نہ ہو بلکہ بیع کے بعد واپسی کی شرط لگائی گئی ہو، تو بیع صحیح ہے۔ البتہ وعدہ کا ایفاء لازم ہے(۵۶)۔ رد المختار میں ہے کہ عقد ہونے کے بعد، فاسد شرط کا بیان کرنا، عقد کو فاسد نہیں کرتا۔(۵۷)

رد المختار میں ہے: "**لو ذکرا البیع بلا شرط ثم ذکرا الشرط علی وجہ العدۃ جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد**"(۵۸) اگر بیع کو بلا شرط بیان کیا پھر انہوں نے وعدہ کے طور پر شرط کو بیان کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے۔

الدر المختار میں ہے: "**قیل بیع یفید الانتفاع بہ...... وعلیہ الفتوی وقیل ان بلفظ البیع لم یکن رھنا ثم ان ذکر الفسخ فیہ او قبلہ او زعماہ غیر لازم کان بیعا فاسدا ولو بعدہ علی وجہ المیعاد جاز ولزم الوفاء بہ ، لان المواعید قد تکون لازمۃ لحاجۃ الناس**"(۵۹) ایک قول ہے کہ بیع الوفاء انتفاع کا فائدہ دیتی ہے ...... اس کے بیع ہونے پر فتویٰ ہے۔ بعض نے کہا کہ بیع الوفاء، لفظ بیع کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ رہن نہیں ہے (کیوں کہ بیع اور رہن مستقل عقد ہیں اور ان کے اپنے اپنے احکام ہیں) پھرجب بیع الوفا کے اندر یا قبل اس کے فسخ (Cancelation) کا ذکر کیا، یعنی اس سے مشروط کیا، یا دونوں نے اس کو بیع غیرلازم خیال کیا تو بیع فاسد ہوگی۔ اگر مذکورہ طریقے سے، بیع الوفاء کے بعد فسخ کو ذکر کیا تو بیع جائز ہے اور اس سے وعدے کا پورا کرنا لازم آئے گا، اس لیے کہ وعدوں کا پورا کرنا، لوگوں کی حاجت کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔

اگر واقع میں قطعی بیع کی ہو اور اس میں (انتفاع) کی شرط ملحوظ نہ ہو ، تو یہ بیع سے جدا ایک وعدہ ہوا۔ اس اعتبار سے بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری (Customer) کے لیے جائزہے، ورنہ تحقیق یہ ہے، کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور اس سے مشتری (Customer) کا انتفاع حرام ہے۔ مثلاً کسی شخص نے ۱۰۰ روپے کے عوض کوئی شے فروخت کی اور باقاعدہ لکھ کر اور بیعنامہ سے پہلے یا بعد میں بائع (Seller) نے مشتری (Customer) سے یہ وعدہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا ثمن (Price) پورا پورا ادا کر دوں، تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تا واپسی تو مبیع (Sold) سے فائدہ اٹھا لے تو یہ بیع قطعی اور صحیح ہے۔ البتہ اگر یہ معاہدہ عقد سے پہلے ہوا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس معاہدہ (انتفاع)سے باز آئے، اب قطعی بیع کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد معاہدہ ہوا تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ کے طور پر ہو، تو جائز ہے(ملخصاً)(۶۰) بیع اور

شرط دونوں صحیح ہیں، اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے: "**المسلمون عند شروطهم**"(۶۱) مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں۔

المجلہ میں ہے: "**وهو فی حکم البیع الجائز بالنظر الی انتفاع المشتری به**"(۶۲) باوجود اس کے کہ مشتری (Customer) اس سے انتفاع کرتا ہے، بیع الوفاء جائز بیع کے حکم میں ہے۔

فقہاء نے اکراہ میں اس کی اجازت دی ہے اور اسی پر فتوی ہے(۶۳) اس کو جائز بیع کہنے کی بنیاد شاید یہ ہے کہ یہ بیع ربا سے چھٹکارا پانے کی ضرورت کے لیے ہے۔(۶۴)

مجلّہ کی دفعہ ۳۲ میں ہے کہ حاجت عامہ یا حاجت خاصہ ضرورت کا درجہ پا جائے گی۔ اکثر احکام شرعیہ جو خلاف قیاس ہوئے ہیں، ان کی بنیاد اسی حاجت پر ہے، جیسے کہ بیع الوفاء، اس بیع میں ایک فریق کے نفع کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اس لیے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ اس شرط کے موجود ہوتے ہوئے ،بیع جائز نہ ہو۔لیکن اہل بخارا پر کثرت دیون کی حاجت کے پیش نظر اسی طرح اہل مصر (کی حاجت بھی اس کے جواز کی متقاضی تھی) یہ حضرات اس کو بیع الامانت، شافعیہ اس کو رھن المعاد جبکہ اہل شام اس کو بیع الاطاعۃ کا نام دیتے ہیں۔(۶۵) رہن معاد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب مرتہن کا قرض ادا ہو جائے تو یہ لوٹ کر راہن کی طرف جاتی ہے۔ بیع الامانۃ کی وجہ یہ ہے کہ اس کا صادر ہونا امانت پر مبنی ہے کہ صاحب درہم نے بائع کو امین جانتے ہوئے درہم دیے اور بائع نے صاحب درہم کو امین سمجھ کر مبیع دی کہ جب وہ اس کو درہم دے گا تو وہ مبیع کو لوٹا دے گا۔ بیع الاطاعۃ کہنے کی وجہ ہے کہ اس میں ایک دوسرے کی اطاعت ہے جس کی وجہ سے منعقد ہوتی ہے۔(۶۶)

حاصل یہ ہے کہ رہن بلا قبضہ جائز نہیں ہے اور یہ کہ مرتہن جائیداد مرہونہ سے انتفاع کا مستحق نہیں ہے اور اگر عقد میں انتفاع کی شرط نہ ہو، نہ ہی عرفاً مشروط ہو اور راہن حسن سلوک کے طور پر انتفاع کی اجازت دے تو جائز ہے۔ تاہم نظریاتی کونسل کی رائے ہے کہ راہن کی اجازت کے باوجود حاصل کیے گئے نفع کو اصل رہن سے محسوب (Calculate) کیا جائے گا۔(۶۷)

۳۔ مرابحہ:

مرابحہ بیع (Sale) کی ایک قسم ہے جس میں فروخت کنندہ (Seller) اپنی چیز دوسرے کو بیچتے وقت یہ بتاتا ہے کہ یہ چیز اسے کتنے میں پڑی ہے اور وہ اس پر کتنا نفع (Profit) لے رہا ہے...... مرابحہ ایک خرید و فروخت کا عقد ہے...... عصر حاضر میں اس کو اسلامی بینکاری میں چند شرائط کے ساتھ

بطور طریقہ تمویل (Mode of Finance) استعمال کیا جاتا ہے۔(۶۸)

بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعے فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہ رہے نیز اس کی قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت) اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کر دی گئی ہو۔ یہ بات درست نہیں کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہو گی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہو گی اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہو گا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہو گی)۔(۶۹)

مرابحہ کی عملی صورت یہ ہے کہ جب کسی شخص کو سامان خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہو اور اسلامی بینک اس کو بازار سے وہ شے خرید کر دے یا اسے مطلوبہ شے خریدنے کے لیے اپنا وکیل بنائے اور یہ شخص مطلوبہ شے خرید کر اس پر قبضہ کر لے گا تو بینک مرابحہ کے طریقہ پر اسے وہ چیز بیچ دے گا کہ یہ شے اتنے میں پڑی ہے اور اس پر اتنا نفع رکھ کر میں آپ کو بیچ رہا ہوں کلائنٹ اس کی قیمت یکمشت یا قسطوں میں دے گا۔(۷۰)

مرابحہ میں رہن کی گارنٹی:

مرابحہ میں مطلوبہ سامان کلائنٹ کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس سامان کی قیمت کلائنٹ کے ذمہ قرض ہو جاتی ہے، جس سے عدم ادائیگی کا رسک پیدا ہو جاتا ہے۔(۷۱) جس کا حل بینکوں میں یہ نکالا گیا ہے کہ کلائنٹ سے سامان کی قیمت (جو کہ اس پر قرض ہے) کے عوض کوئی شے بطور رہن لے لی جاتی ہے جس طرح ادھار پر گارنٹی لینا جائز ہے اسی طرح بیع مرابحہ میں گارنٹی (Guarantee) لینا بھی جائز ہے۔(۷۲) یہ سکیورٹی رہن، جائیداد پر حق احتباس کی صورت میں ہو سکتی ہے مگر بائع اس وقت سکیورٹی مانگ سکتا ہے جبکہ معاہدہ کی وجہ سے کوئی قرض یا ذمہ داری وجود میں آ چکی ہو۔ اگر عملاً وہ بیع کے مکمل ہونے سے قبل سکیورٹی پر قبضہ کر لیتا ہے تو یہ شے اس کے ضمان (risk) پر ہو گی اور تمویل کا کلائنٹ کو رہن رکھے اثاثے کی بازاری قیمت ادا کرے گا۔(۷۳) بنا بریں مرابحہ میں رہن کے ذریعے گارنٹی یا سکیورٹی مہیا کی جا سکتی ہے۔ گارنٹی کے اس سامان (رہن)

پر قبضہ کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ رہن بالقبض (Pledge with Possession):

رہن بالقبض میں عملاً کوئی شے بینک کے قبضہ میں دی جاتی ہے اور بینک اس کو اپنی حفاظت کی جگہ میں رکھ لیتا ہے اور جب کلائنٹ قرض کی ادائیگی کر لیتا ہے تو یہ سامان اس کو یکمشت واپس کر دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ جتنی رقم ادا کرتا جائے اتنا مال چھڑاتا جائے۔(۷۴)

۲۔ رہن حکمی (Registered Pledge):

رہن حکمی سے مراد یہ ہے کہ کلائنٹ جو شے رہن رکھوا رہا ہے وہ تو اسی کے پاس رہے۔ البتہ اس کے کاغذات بینک کے حوالے کر دیے جائیں۔ جس کی وجہ سے کلائنٹ بینک کو ادائیگی کیے بغیر اپنا سامان واپس نہیں لے سکتا یا بیچ سکتا۔ رہن حکمی میں چیز کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی، بلکہ بدستور کلائنٹ ہی شے مرہون کا مالک رہتا ہے اور اگر رہن بالقبض ہو تو اس کی حفاظت کرنا بینک کے ذمہ ہے لیکن بینک حفاظت کے اخراجات جیسے گودام کا کرایہ محافظ کی تنخواہ وغیرہ کلائنٹ سے نہیں لے سکتا۔ البتہ مرابحہ کے وقت ان اخراجات کا عمومی اندازہ لگا کر نفع کی شرح میں اضافہ کرنے کی گنجائش ہے۔(۷۵)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں غیر منقولہ اشیاء کا قبضہ عرف پر مبنی ہوتا ہے عرف میں جس عمل کو قبضہ تصور کیا جائے اس سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔(۷۶)۔

اس عہد میں بینکوں کا رہن السائل کے حوالے سے عرف یہ ہے کہ وہ دستاویز پر قبضہ کو رہن پر قبضہ تصور کرتے ہیں۔

فقہاء احناف کی رائے میں رہن کا دائمی طور پر قبضہ میں رہنا ضروری ہے اس کے باجود احناف رہن کو عاریتا دینے کے قائل ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ قبضہ کے دائمی طور پر میں رہنے سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ شے مرہونہ حسی طور پر بالفعل مرتہن کے قبضہ میں رہے، بلکہ ان کی رائے دائمی قبضہ کا مطلب ہے کہ مرتہن کو شے مرہونہ پر قبضہ کا دائمی حق ہے اور وہ جب چاہے شے مرہونہ پر قبضہ کر کے اپنا حق واپس لے سکتا ہے اس حوالے سے امام سرخسی نے المبسوط میں لکھا ہے: ”**ولسنا نعين وجود يد المرتهن حينا وانما نعنى استحقاق دوام اليد وبالاعادة من الراهن أو الغصب لاينعدم الاستحقاق**“(۷۷) رہن بالقبض ہو یا رہن حکمی ہو، رہن کا مالک راہن ہی رہتا ہے۔ لہٰذا اگر شے

مرہون کے کاغذات مرتہن کے پاس رکھوا دیے جائیں، تو یہ حکمی قبضہ کی ایک صورت ہو گی، جس طرح کہ رہن سائل میں کلائنٹ مرہونہ چیز مثلاً مشینری یا گاڑی وغیرہ کے صرف کاغذات بینک کے پاس رکھوا دیتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے اسے چارج یا پیدا کر لینا کہتے ہیں۔(۷۸)

دستاویز کی اہمیت مسلمہ ہے مگر جس جگہ کاتب اور سامان کتابت وغیرہ دستیاب نہ ہو وہاں پر رہن کو قبضہ میں دینے کا حکم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَأِنْ کُنتُمْ عَلٰی سَفَرٍوَّلَمْ تَجِدُوا کَاتِبًافَرِھٰنٌ مَقْبُوضَۃٌ“ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے، تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر معاملہ کرو) آیت کا مستفاد یہ ہے کہ کتابت اور رہن دونوں توثیق کے لیے ہیں اور اوّلیت کتابت کو اور ثانویت رہن کو حاصل ہے اور رہن کو دستاویز کے متبادل کے طور پر رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ کتابت میں جو آسانی اور سہولت مقرض (قرض دینے والا) اور مقترض (قرض لینے والا) کو حاصل ہے وہ رہن میں نہیں ہے۔ اب اگر وہ کتابت کے ذریعے معاہدہ دین [Debt] پر راضی ہوں تو درست ہے۔ یقیناً دستاویز میں دین کی ادائیگی سے متعلقہ امور درج کیے جاتے ہیں اور اگر مقترض (قرض لینے والا) دین [Debt] کی ادائیگی کو اپنی کسی قیمتی شے کے ساتھ خاص کر سکتا ہے۔ اس صورت میں دین اس شے میں سے ادا کیا جائے گا۔

۴۔ مضاربہ:

مضاربہ شرکت کی ایک خاص قسم ہے جس میں ایک شریک دوسرے کو کاروبار میں لگانے کے لیے رقم فراہم کرتا ہے۔ اس کو رب المال کہتے ہیں جبکہ کاروبار کا انتظام و انصرام اور عمل کی ذمہ داری دوسرے فریق پر ہوتی ہے اس کو مضارب کہتے ہیں۔(۷۹) مضاربہ میں تمام اشیاء رب المال کی ہوتی ہیں اور مضارب اسی صورت میں منافع میں حصہ کا حقدار ہوتا ہے جبکہ وہ انہیں نفع پر بیچ دے۔ لہٰذا وہ خود اثاثہ جات میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگرچہ ان کی قیمت بڑھ گئی ہو۔(۸۰)

مضاربہ میں سکیورٹی یا ضمانت:

مال میں زیادتی یا اس کے استعمال میں کوتاہی پر مضارب سے ضمانت کے طور پر ضامن کا طلب کرنا جائز ہے۔(۸۱) مال کے ضیاع پر مضارب سے مال مضاربہ کی سکیورٹی لینا جائز نہیں کیوں کہ مال کی ذمہ داری عائد کرنے کی شرط عقد کی نفی کرتی ہے۔(۸۲)

۵۔ بیع سلم:

بیع سلم ایک ایسی بیع ہے جس کے ذریعے بائع یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی کسی تاریخ میں متعین چیز خریدار کو فراہم کرے گا اور اس کے بدلے میں مکمل قیمت بیع کے وقت ہی پیشگی لے لیتا ہے۔(۸۳) بیع سلم کی حضورﷺ نے چند شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے جس کا مقصد کاشتکاروں کی ضرورت کو پورا کرنا تھا جن کو فصل کی کٹائی تک بیوی بچوں کے اخراجات کی ضرورت تھی اور حرمت ربا کے بعد ان کو زرعی پیداوار پیشگی بیچنے کی اجازت دی گئی۔(۸۴)

بیع سلم میں معاہدہ کے وقت فریقین کے لیے ضروری ہے کہ وہ قیمت کا تعین کریں...... اگر معاہدہ کے دن والی کسی خاص قیمت یا کسی بازار کی قیمت کے مطابق طے ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے...... لیکن کسی بازار کی مستقبل کی قیمت کے مطابق قیمت کا تعین جائز نہیں ہے۔(۸۵)

بیع سلم چھوٹے تاجروں اور کاشتکاروں کے لیے ایک طریقہ تمویل ہے جو کہ جدید مالیاتی اداروں اور بینکوں میں استعمال ہو رہا ہے ان دونون قیمتوں کے درمیان جو فرق ہے وہ ان اداروں کا نفع ہے۔(۸٦)

بیع سلم میں رہن سے گارنٹی:

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ بائع مطلوبہ شے وقت پر مہیا کر دے گا اس سے سکیورٹی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جو ضمانت یا رہن وغیرہ کی صورت میں ہو سکتا ہے، نادہندگی کی صورت میں خریدار / تمویل کار مرہون کو بیع کر کے قیمت سے مطلوبہ شے بازار سے خرید سکتا ہے یا پیشگی دی ہوئی قیمت وصول کرسکتا ہے۔(۸۷) فروخت کنندہ سے مخصوص کوالٹی اور معین مقدار سپلائی کے لیے ضمانت، زمین یا بیان حلفی وغیرہ حاصل کرے، خریدار سپلائی یا قبضہ سے پہلے اس کو نہ فروخت کر سکتا ہے نہ ہی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔(۸۸)

٦۔ قسطوں پر خرید و فروخت:

عہد حاضر کی تجارتی و کاروباری دنیا میں قسطوں پر خرید و فروخت کا کاروبار عروج پر ہے جس کا بنیادی سبب لوگوں کی ضروریات کا بڑھنا اور قوت خرید کا کم ہونا ہے، سینکڑوں نجی و سرکاری ادارے اور کمپنیاں معرض وجود میں آ گئی ہیں جو مکانات، مشینری اور کاروبار زندگی کی دیگر اشیاء اور ان کی سروسز وغیرہ قسطوں پر مہیا کرتی ہیں، بیع کی اس قسم میں گارنٹی کی ضرورت پیش آتی ہے جس کا حل مبیع کو

رہن کے طور پر رکھ کر نکالا گیا ہے۔

قسطوں پر بیع یہ ہے کہ بائع اپنا سامان خریدار کو بیع کے وقت دے دے، لیکن خریدار اس شے کی قیمت اسی وقت ادا نہ کرے بلکہ طے شدہ اقساط میں ادا کرے، اس کو بیع بالتقسیط کہتے ہیں۔(۸۹) یہ نقد بیع کے مقابلے میں ادھار پر بیع ہے، عموماً اس بیع میں چیز کی قیمت عام بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے اور عاقدین کا بوقت عقد کسی ایک قیمت پر متفق ہونا ضروری ہے، اور عقد کے وقت مقرر کردہ قیمت سے زائد وصول کرنا بائع کے لیے جائز نہیں۔(۹۰) اس کے جواز یا عدم جواز میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

متأخرین فقہاء کی رائے میں یہ ''بیعان فی بیعه'' ہے۔(۹۱) جس سے منع کیا گیا۔(۹۲) مثال کے طور پر کوئی شخص کہے کہ میں تمہیں یہ چیز حال میں ایک سو روپے کی اور مستقبل میں (مؤجل کے طور پر) ایک سو پچاس میں فروخت کرتا ہوں اور خریدنے والے کے تعین کے بغیر (کہ کون سی صورت قبول کرے گا) وہ دونوں علیحدہ ہو جائیں تو یہ جائز نہیں ہے۔(۹۳)

متأخرین فقہاء کے بقول ثمن کی یہ زیادتی مدت کے عوض ہے اور جو ثمن مدت کے عوض میں دیا جائے وہ سود یا کم از کم مشابہ ضرور ہوتا ہے۔(۹۴)

جمہور فقہاء متقدمین کے نزدیک ادھار بیع میں نقد کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق قطعی فیصلہ کر لیں اور کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں اگر وہ کسی بھاؤ پر اتفاق کیے بغیر جدا ہو گئے تو بیع ناجائز ہوگی۔(۹۵)

امام ترمذی نے بیع کے ناجائز ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کو معین نہ کرنے سے ثمن دو حالتوں کے درمیان ہو کر رہ جائے گا اور ثمن کا دو حالتوں میں رہنا جہالت ثمن کو لازم بنانے والا ہے، جس کی بنا پر بیع ناجائز ہے۔(۹۶) یہی جمہور کا مسلک ہے۔(۹۷)

حاصل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے چند شرائط کے ساتھ قسطوں پر خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو)۔(۹۸)

قسطوں پر خرید و فروخت میں مبیع مرہونہ کے ذریعے سکیورٹی:

دیگر کاروباروں کی طرح قسطوں پر خرید و فروخت میں ضمانت **(Guarantee)** کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لیے وہ اپنے گاہکوں سے ضمانت یا سند ضمانت مانگتے ہیں، قسطوں پر خرید و فروخت

بیع مؤجل ہے، اس میں مبیع کو محبوس کرنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ مبیع کا حبس بطور وصولیابی ثمن:

بیع مؤجل میں ثمن کے حاصل کرنے کے لیے مبیع کو روکنا درست نہیں ہے، فتاوی عالمگیری میں مؤجل بیع کے حوالے سے منقول ہے:

"وان کان مؤجلا فلیس للبائع ان یحبس المبیع قبل حلول الاجل ولا بعد ہ"(۹۹)
اگر بیع مؤجل ہو تو بائع کے لیے جائز نہیں کہ وہ مبیع کو روکے، بائع قرض کی مدت آنے سے پہلے اور نہ ہی بعد میں مبیع کو روک سکتا ہے۔

بیع مؤجل میں بیع جب مکمل ہو جائے اور مشتری مبیع پر قبضہ کر لے تو ثمن مشتری کے ذمہ دین [Debt] ہو جائے گا، لہٰذا بائع دین [Debt] کی وصولیابی کے لیے، مشتری سے کسی توثیق کا مطالبہ کر سکتا ہے، بیع مؤجل میں، قبضہ سے پہلے، مبیع کو بائع کے پاس چھوڑنا درست نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بائع، ثمن کو حاصل کرنے کے لیے مبیع کو روکنے والا ہوا اور حصول ثمن کے لیے مبیع کو روکنا جائز نہیں ہے۔(۱۰۰)

۲۔ مبیع کا حبس بطور رہن:

درمختار میں ہے کہ مبیع مشتری کے قبضہ کے بعد ہی ثمن کے مقابلے میں رہن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔(۱۰۱) اس لیے کہ مشتری کی ملکیت متعین ہوچکی ہے، اگرمشتری قبضہ سے پہلے مبیع کو رہن رکھتا، تو مبیع ثمن کے مقابلے میں محبوس ہونے کی وجہ سے رہن نہیں بنے گی۔(۱۰۲) مشتری، خریدی ہوئی شے کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد اسی شے کو رہن کے طور پر بائع کے پاس رکھے تو اکثر فقہاء کی رائے میں یہ صورت جائز ہے۔(۱۰۳)

الجامع الصغیر میں ہے: "رجل اشتری شیئا بدرھم ، فقال للبائعَ: امسِک ھٰذا الثوبَ حتّٰی اعطیک الثمن، فالثوب رھن"(۱۰۴) ایک شخص نے کوئی چیز درہم کے بدلے میں خریدی پھروہ بیچنے والے سے یہ کہے: اس کپڑے کو اپنے پاس اس وقت تک رکھ جب تک کہ میں تجھے اس کی قیمت ادا کر نہ دوں، اس صورت میں وہ کپڑا رہن ہے۔

احناف کی رائے میں اگرمشتری قبضہ میں لیے بغیر شے کوبائع کے پاس رہن رکھے تو ہلاکت کی صورت میں بیع فسخ ہو جائے گی......ثمن کے مقابلے میں محبوس اور رہن کے مقابلے میں محبوس کے

ضمان میں فرق ہے اور ایک ہی شے دو مختلف ضمانوں کے ساتھ مضمون نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ دو مختلف اشیاء کا ایک شے میں جمع ہونا محال ہے، قبضہ کے بعد مبیع میں مشتری کی ملکیت متعین ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو وہ مشتری کے ضمان سے ہلاک ہو گی اور اس ہلاکت کی وجہ سے بیع فسخ نہیں ہو گی۔(۱۰۵) جب ثمن کے وصول کرنے کے لیے مبیع کو محبوس کیا جائے تو اس وقت مبیع ثمن کے ساتھ مضمون ہوگی قیمت کے ساتھ مضمون نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر حالت حبس میں ہلاک ہوگئی تو اس صورت میں بیع فسخ ہو گی اور بازاری قیمت کا ضمان اس پر نہیں آئے گا اور ثمن بدستور مشتری کے ذمہ واجب الاداء رہے گا لیکن اگر مبیع مرہون بائع (مرتہن) کی تعدی سے ہلاک ہوئی تو مرتہن بازاری قیمت کا ضامن [Guarantor] ہو گا، ثمن کا ضامن نہ ہو گا۔(۱۰۶)

بیع میں رہن جائز ہے لیکن اگر صلب عقد میں رہن مشروط ہو تو اس کے جواز میں اختلاف رائے ہے:

شافعیہ کی رائے میں اگر بائع اور مشتری اس شرط پر بیع کریں کہ مبیع بائع کے پاس ثمن کے عوض بطور رہن محبوس ہوگی تو یہ بیع صحیح نہیں ہے...... کیوں کہ جب انہوں نے رہن رکھنے کی شرط لگائی اس وقت مبیع مشتری کی ملکیت میں نہیں تھی، اگرچہ یہ شرط لگائی گئی ہو کہ مشتری اس مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد اسے رہن کے طور پر رکھوائے گا یا قبضہ سے پہلے رہن رکھوائے گا...... ظاہر روایت میں یہ رہن درست ہے۔(۱۰۷)

اگر بیع کے عقد میں شرط نہیں لگائی گئی مگر بیع کے مکمل ہونے کے بعد اسی بائع کے پاس مبیع کو بطور رہن رکھوا دیا تو اس صورت میں بیع لازم ہونے کے بعد وہ مبیع بطور رہن رکھوائی تو یہ صورت بدرجہ اولیٰ صحیح ہے کیوں کہ جب بیع لازم ہو جائے تو مشتری بائع کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس اس کو بطور رہن رکھوا سکتا ہے تو اس بائع کے پاس بھی رکھوا سکتا اسی طرح جب غیر ثمن کے بدلہ میں اس مبیع کو رہن رکھوا سکتا ہے تو ثمن کے بدلے میں بھی رہن رکھوا سکتا ہے۔ اگر لزوم بیع سے پہلے مشتری نے مبیع کو بطور رہن رکھوایا تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ مشتری کے لیے مبیع میں تصرف جائز ہوا تھا یا نہیں؟ لہٰذا جہاں اس کا تصرف جائز ہو وہاں اس کا رہن جائز ہے اور جہاں تصرف جائز نہ ہو وہاں رہن جائز نہیں ہے کیوں کہ رہن رکھوانا ایک قسم کا تصرف ہے اور اس کا حکم بیع کے مشابہ ہو گا۔(۱۰۸)

۷۔ بیع مؤجل:

بیع مؤجل وہ بیع ہے جس میں فریقین اس بات پر متفق ہوں کہ قیمت کی ادائیگی بعد میں کی جائے گی...... اس میں ادائیگی کی تاریخ مبہم نہیں ہونی چاہیے ورنہ یہ بیع ناجائز ہو جائے گی۔(۱۰۹)

بیع مؤجل میں رہن بطور سکیورٹی:

قیمت کی ادئیگی کے لیے بائع خریدار سے کسی سکیورٹی کا مطالبہ کر سکتا ہے خواہ وہ رہن کی شکل میں ہو یا اثاثوں میں سے رقم کی وصولی کے حق کی صورت میں ہو۔(۱۱۰)

حاصل بحث یہ ہے کہ بینکوں اور تجارتی اداروں اور تجار کو سکیورٹی کی ضرورت رہتی ہے جس کا حل رہن کی صورت میں دیا گیا۔ ابتداء اسلام سے ہی بیوع میں رہن کار فرما رہا اور قانون اسلامی کا حصہ بنا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف شکلیں وجود میں آئیں اور ہر دور کے فقہاء اسلام نے اس کا شرعی حل پیش کیا۔

فقہاء کی نظر میں شے مرہونہ کی قانونی حیثیت:

فقہاء کی رائے میں رہن کی قانونی حیثیت مسلم ہے، ذیل میں چند نکات کے تحت رہن کی قانونی حیثیت کو بیان کیا جائے گا:

اولا: سفر واقامت دونوں حالتوں میں جواز کا حکم:

سوائے چند فقہاء کے جن کا بیان پہلے گذر چکا ہے، سب کے نزدیک رہن کو سفر اور حضر دونوں میں رکھنا درست ہے اور سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے اور رہن کی زیادہ ضرورت سفر میں ہونے کی وجہ سے سفر کی قید لگائی گئی ہے۔(۱۱۱)

ثانیاً: رہن کے امانت ہونے کا قول:

رہن کا قبضہ قابل ضمان ہے یا وہ مرتہن کے قبضہ میں امانت ہے اس حوالے سے فقہاء کی دو آراء ہیں:

شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کی رائے ہے، کہ شے مرہونہ مرتہن کے پاس امانت ہے اور وہ اگر کسی آفت یا طبعی موت سے ہلاک ہو تو مرتہن پر ہلاکت کی ذمہ داری نہیں آئے گی اور اس کا قرض علی حالہ راہن پر باقی رہے گا، دین سے کچھ ساقط نہ ہو گا۔(۱۱۲)

مالکیہ کی رائے میں جن اشیاء کی ہلاکت پوشیدہ نہیں ہوتی اور وہ قبضہ کی حالت میں ہلاک ہوں یا یہ گواہی قائم ہو جائے کہ مرتہن کی غلطی کے بغیر ہلاک ہوئی ہے تو امانت کا حکم ہو گا۔(۱۱۳) جو شے پوشیدہ ہو اور اس کی ہلاکت پر گواہی قائم نہ ہو سکے کہ مرتہن نے اس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے تو مرتہن پر ذمہ داری آئے گی۔(۱۱۴)

فقہاء نے رہن کے امانت ہونے پر دلیل یہ پیش کی ہے، کہ حضورﷺ نے فرمایا: "**لایغلق الرهن من صاحبه الذی رهنه له غنمه وعلیه غرمه**"(۱۱۵) رہن کو اس کے مالک (جس نے اس کو رہن کے طور پر رکھوایا ہے) سے نہیں روکا جائے گا، اس کا فائدہ مالک کے لیے ہے اور نقصان مالک کے ذمہ ہے۔

فقہاء احناف کی رائے میں جب رہن کو مرتہن کے قبضہ میں دے دیا گیا تو اس کے ضمان و ذمہ داری میں آ گیا۔ اب اگر شے مرہونہ مرتہن کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوئی تو مرتہن شے مرہونہ کی قیمت کا ذمہ دار ہو گا اور اگر رہن کی قیمت قرض بڑھ جائے تو زیادتی میں امانت کا حکم ہو گا۔(۱۱۶)

احناف کی دلیل ہے کہ رسولﷺ نے فرمایا: "**الرهن بما فیه**"(۱۱۷) رہن اس قرض کے بدلے میں ہے، جس کے عوض مال رہن رکھا گیا۔

عطا بن ابی رباح کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے مرہونہ گھوڑا مرتہن کے پاس ہلاک ہوا تو حضورﷺ نے مرتہن سے فرمایا کہ تیرا حق چلا گیا ہے۔(۱۱۸) اس حدیث سے دین کے سقوط کی اطلاع ملتی ہے کہ مرتہن کا حق وہ قرض ہے جو وہ راہن کو (پہلے سے) دے چکا ہوتاہے۔(۱۱۹)

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مرتہن کی تعدی سے رہن ہلاک ہو تو مرتہن ضامن ہوتا ہے۔ اس میں امانت کا حکم نہیں ہو گا۔(۱۲۰) احناف کی رائے میں مرتہن جان بوجھ کر شے کو ہلاک کرے تو کل قیمت کا ضامن ہو گا۔(۱۲۱)

ثالثاً: رہن سے انتفاع:

راہن یا مرتہن کے شے مرہونہ سے انتفاع کے متعلق فقہاء کی آراء میں بکثرت اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جن کا مطالعہ فقہ کی کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں نہایت اختصارکے ساتھ ائمہ کی آراء کو پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ راہن کا انتفاع:

جمہور کی رائے میں رہن شے مرہونہ کا مالک ہے اور اس کے منافع، دودھ اور سواری وغیرہ راہن کے ہیں(۱۲۲) لیکن کیا حالت رہن میں وہ منافع راہن لے سکتا ہے، حدیث: ''**الظھر یرکب**''(۱۲۳)، ''**لایغلق الرھن**''(۱۲۴) اور حدیث: ''**الرھن مرکوب ومحلوب**''(۱۲۵) وغیرہم کو دلیل بناتے ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ ان سے انتفاع کر سکتا ہے، اس حوالے سے جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ دودھ اور سواری وغیرہ شے مرہون کے ساتھ ہی رہن ہوتے ہیں اور راہن ان سے انتفاع مرتہن کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا۔(۱۲۶) راہن نے (بلا اجازت) جتنا انتفاع کیا اتنی قیمت کا ضامن ہو گا، کیوں کہ اس نے اپنے فعل سے مرتہن کے حق میں تعدی کی ہے۔ رہن کو ہلاک کرنے کے بدلے میں وہ قیمت مرتہن کے حبس میں دی جائے گی اور دین اس کے ساتھ جڑ جائے گا، یہی حنابلہ کی رائے ہے۔(۱۲۷)

مالکیہ کی رائے میں اگر مرتہن نے رہن سے انتفاع کی اجازت دی تو (گویا اس نے راہن سے اپنا حق گرا دیا)، اگرچہ اس سے انتفاع نہ کیا جائے، دین بلا رہن رہ جائے گا اور مانع کے وقت مرتہن کو اس سے خاص نہیں کیا جائے گا۔(۱۲۸)

شافعیہ نے احتمال نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا کہ جن اشیاء میں انتفاع سے نقصان کا احتمال ہے۔ ان اشیاء میں مرتہن کی اجازت کے بغیر انتفاع جائز نہیں ہے اور جن اشیاء میں انتفاع سے نقصان کا احتمال نہیں ہے ان سے انتفاع کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔۱۲۹)

۲۔ مرتہن کا انتفاع:

مرتہن کے انتفاع کے متعلق فقہاء کی آراء اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

اولاً: بلااجازت راہن انتفاع: جمہور فقہاء احناف، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے میں مرتہن شے مرہونہ سے انتفاع نہیں کر سکتا، ان کی دلیل آیت رہن ہے، جس میں ''**مقبوضہ**'' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ مرتہن صرف قبضہ کرے گا اُسے تصرف اور استفادے کا اختیار نہیں ہے۔(۱۳۰) دوسری دلیل حدیث: ''لایغلق الرھن''ہے، جس سے معلوم ہوتا کہ رہن کو اس کے مالک سے نہیں روکا جائے گا اس کی زیادتی اس کے لیے ہے اور اس کا نقصان بھی اس پر ہے، البتہ بعض فقہاء احناف کی رائے ہے کہ راہن کی اجازت سے مرتہن انتفاع کر سکتا ہے۔(۱۳۱)

حنابلہ کی رائے میں دودھ اور سواری کے جانور سے نفقہ کے بدلے، بقدر نفقہ بلا اجازت میں انتفاع کر سکتا مگر اس میں انصاف کرے گا۔(۱۳۲) ان کی دلیل حدیث: "الظهر یرکب"(۱۳۳) ہے اس حدیث میں نفقہ کے بدلے میں مرتہن کو انتفاع کی اجازت دی گئی ہے۔

رہن میں شرط کی صورتیں:

رہن میں شرط کی تین صورتیں ہیں:

اولاً: عقد رہن کے تقاضے کے مطابق شرط :جس میں کسی کے لیے نقصان کا احتمال نہ ہو، اس طرح کی شرط عقد رہن ایسی شرط لگائی جا سکتی ہے جو عقد کو پختہ کرے اور عقد کے تقاضوں کے مطابق ہو یعنی خود عقد کی حقیقت اس شرط کے پائے جانے کا تقاضا کرے جیسے مرتہن یہ شرط لگائے کہ راہن جب تک شے مرہون اس کے حوالے نہیں کرے گا وہ قرض نہیں دے گا، نیز ہر وہ شرط جو تاجروں کے عرف (Custom) میں عقد کے اندر داخل سمجھی جائے، جیسے کوئی شخص قالین اس شرط پر خریدے، کہ دکاندار قالین کو خریدار کے ہاں لگا کر دے گا۔(۱۳۴)

شرح مجلّہ میں ہے کہ ہر وہ شرط جو شرعاً نہ تو عقد کا مقتضی (Consequence) ہو اور نہ عقد کے مقتضی (Consequence) کی مؤید ہو اور نہ متعارف ہو اور نہ شریعت نے اس کو جائز کہا ہو، وہ شرط فاسد ہو گی۔(۱۳۵) رہن میں فاسد شرط لگانے سے رہن منعقد ہو جائے گا اور شرط کی پابندی قضاء نہیں ہو گی۔(۱۳۶)

ثانیاً: رہن سے انتفاع کی شرط: اگر واضح طور پر عقد رہن میں انتفاع کی شرط عائد کی تو اس حوالے سے مختصراً فقہاء کی درج ذیل آراء ہیں:

ا۔ قرض کے مقابل رہن سے انتفاع کی شرط:

احناف کی رائے میں اگر رہن قرض کے مقابلے میں ہو تو مرتہن کا عقد میں رہن سے انتفاع کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، اس شرط سے قرض فاسد ہو جائے گا۔(۱۳۷) انتفاع کی شرط حرام ہے۔(۱۳۸) یہی ا مام مالک کی رائے ہے: "ان کان الدین من قرض فلایجوزذلک لانه یصیر سلفا جر منفعة"(۱۳۹) قرض میں منفعت کی شرط جائز نہیں کیوں کہ وہ نفع کو کھینچنے ولا ہو جائے گا جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے: "کل قرض جر منفعة فهووجه من وجوه الربوا"(۱۴۰) احناف کی رائے میں رہن قرض کے مقابل ہو یا بیع کے مقابل ہو کسی صورت میں رہن سے انتفاع کی شرط نہیں

لگا سکتے۔(۱۴۱) شافعیہ کی رائے میں اگر مرتہن نے انتفاع کی شرط لگائی...... تو یہ شرط باطل ہوگی۔(۱۴۲) عقد بھی باطل ہے۔(۱۴۳)

۲۔ بیع کے مقابل رہن سے انتفاع:

مالکیہ کی رائے میں رہن بیع کے مقابلے میں ہو تو مرتہن رہن سے انتفاع کی شرط لگا سکتا ہے...... گھروں اور زمینوں میں ایک مقررہ مدت تک شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ آپ نے حیوانات اور ملبوسات میں انتفاع کی شرط کو مکروہ کہا ہے۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حیوان اور کپڑا کیسی حالت میں لوٹایا جائے گا۔ ابن قاسم نے کہا کہ حیوان وغیرہ میں شرط انتفاع میں کوئی حرج نہیں جب اس کی مدت مقرر کی جائے ،کیوں کہ اس نے حیوان کو قیمت اور اس عمل کے بدلے میں یا کپڑے کو پہننے کے بدلے میں بیچا ہے، یہ بیع اور کراء (یعنی کرایہ پر دینا) کو جمع کرنا ہوا اس میں کوئی حرج نہیں۔(۱۴۴) شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر منفعت مقدر یا معلوم ہو اور رہن، بیع میں مشروط ہو تو مرتہن کے لیے منفعت کی شرط لگانا درست ہے۔ گویا کہ اس نے بیع اور اجارہ کو ایک معاملہ میں جمع کر دیا اور یہ جائز ہے۔(۱۴۵) شافعیہ کی رائے میں رہن بیع میں مشروط ہو جیسے وہ کہے کہ رہن کی منفعت میرے لیے سال کی ہو گی تو یہ ایک معاملے میں بیع اور اجارہ کو جمع کرنا ہے یہ جائز ہے۔(۱۴۶)

ثالثاً: عرفا مشروط انتفاع: اگر عرف میں رہن سے انتفاع پایا جائے تو لفظاً انتفاع کی شرط عائد نہ بھی کی جائے، تب بھی رہن سے انتفاع ناجائز ہو گا کیوں کہ معروف کا حکم مشروط کی طرح ہو تا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عرف شرعی قانون کا ماخذ بن سکتا ہے، قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کی نظر میں عرف کا کیا مقام ہے؟ کیا عرف کے قاعدے سے رہن سے انتفاع کو ناجائز کہا جا سکتا ہے؟ ذیل میں ان چند سوالات کا جواب مختلف پیرایوں دیا جائے گا:

ا۔ عرف کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

”**عرفه يعرفه معرفة وعرفانا**“ کا مطلب ہے کہ اس نے اسے پہچان لیا، ”**المعروف**“ نیکی اور ”**المنكر**“ اس کی ضد ہے، ”**العُرف**“ اقرار ”**اَلنُّكرُ**“ کی ضد ہے۔(۱۴۷) امام راغب نے لکھا ہے:

”**عرف: المعرفة والعرفان إدراک الشئ بتفكروتدبر لأثره**“(۱۴۸)

عرف: معرفت اور عرفان کسی شے کو اس کے اثر کی وجہ سے تفکر اور تدبر کے ذریعے سے جاننے کو عرف کہتے ہیں۔

معجم لغة الفقهاء میں ہے:

"**العرف: بضم فسکون، ج أعراف و عُرُفٌ؛ ضد النکر**"(۱۴۹)

عرف (عین کی پیش اور راء کی جزم کے ساتھ) اس کی جمع اعراف اور عرف نکر کی ضد ہے۔

سید شریف جرجانی نے لکھا ہے:

"**العرف: مااستقرت النفوس علیه بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول، وهو حجة ایضا، لکنه اسرع الی الفهم، وکذا العادة، هی ما استمر الناس علیه علی حکم العقول وعادوا الیه مرة بعد أخری**"(۱۵۰)

عرف وہ ہے جو عقل کی گواہی کے ساتھ لوگوں کے اندر قرار پکڑ لے اور طبائع اس کو قبول کر لیں اور یہ بھی حجت ہے لیکن یہ کہ وہ آسانی کے ساتھ سمجھ آجائے اور اسی طرح عادت وہ ہے جس پر لوگ عقل کے کہنے پر کاربند ہو جائیں اور بار بار اس کا اعادہ کریں۔

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی(☆) نے لکھا ہے کہ نکر کا لفظ عبرانی زبان میں نکہر ہے، نکر کے معنی نامعلوم و غیر متعارف کے ہیں اور عرف کے معنی جانے پہچانے اور معلوم و متعارف کے ہیں۔(۱۵۱)

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

"**العرف: عادة جمهور قوم فی قول أو عمل**"(۱۵۲)

کسی قول اور فعل میں جمہور کی عادت کو عرف کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

"**العرف والمعروف و العارفة: کل خصلة حسنة ترتضیها العقول، وتطمئن ألیها النفوس**"(۱۵۳)

عرف، معروف اور عارفہ ہر وہ اچھی خصلت ہے جس کو عقول پسند کریں اور نفوس اس سے مطمئن ہوں۔

☆ آپ ممتاز ماہر قانون ہیں۔ متعدد بلند پایہ کتب کے مؤلف اور معاصر عربی کتب کے مترجم ہیں۔ "التشریع الجنائی الاسلامی" کا اُردو ترجمہ اسلام کا فوجداری قانون آپ کی فاضلانہ کاوش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قرآن حکیم میں ''عرف'' اور ''معروف'' کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے، جملہ مقامات کے مطالعہ سے اس لفظ کے معانی جو واضح ہوئے ہیں ان میں جانا پہچانا، خوشگوار، پسندیدہ اور نیکی کا عمل وغیرہ ہیں...... اور ایسا طریقہ جو معاشرے میں اچھے اور پسندیدہ رواج کے طور پر متعارف ہو۔(۱۵۴) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ کلام عرب میں عرف اسم مصدری ہے اور معروف کے معنی میں آتا ہے۔(۱۵۵)

۲۔ عرف سے قانون سازی کی اہمیت:

عربوں کا جاہلی دور ہو یا زمانہ اسلام ہو عرف و رواج سے قانون سازی کی اہمیت ہر دور میں مسلمہ رہی، اسلام کے دور میں عرف کو شریعت کی روح کے تابع کر کے قانون سازی کی گئی، ذیل میں اس حوالے سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

اولاً: قبل از اسلام اہل عرب کا قانون: اہل عرب عرف و عادت کے پابند تھے، عرف و عادت کی خلاف ورزی کی کسی کو اجازت نہیں ہوتی تھی، ہر قبیلے کا عرف ہی اس کا دین ہوتا تھا، عرف کے ذریعے حلال حرام کا تعین کرتے تھے۔(۱۵۶)

ثانیاً: عربوں کا رواج: عربوں کا کوئی تحریری دستور نہ تھا بلکہ ان کا نظام معاشرت ان کے رسم و رواج اور عرف و عادات پر مبنی تھا...... عربوں کی اکثریت بتوں کی پجاری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رسم و رواج میں بت پرستانہ رویہ ملتا ہے...... بت پرستی کے باوجود عربوں میں دین ابراہیمی سے متعلق بعض ایسی تعلیمات پائی جاتی تھیں جن کا تعلق ان کی مذہبی رسومات سے تھا۔ مثال کے طور پر کعبہ کی تقریبات، ختنہ کی روایت وغیرہ، یہ وہ واضح اثرات ہیں جو عرب سوسائٹی میں ملتے ہیں اور معاشرتی اقدار کے قیام میں بنیاد مہیا کر رہے ہیں۔(۱۵۷)

ثالثاً: رہن عربوں میں مروج تھا، وہ تاوان اور دیتوں کے بدلے میں اشیاء رہن رکھتے تھے، حتیٰ کہ ان کی ادائیگی ہو جائے اور کبھی کبھی وہ اپنی اولاد یا اپنے کسی سردار کو رہن میں رکھ دیتے۔(۱۵۸) کسریٰ کی گروی اولاد کے واپس لینے کا تذکرہ اعشیٰ نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔(۱۵۹)

کعب بن اشرف کے قتل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب بیوی بچوں اور اسلحہ وغیرہ کو رہن رکھا کرتے تھے۔(۱۶۰)

رابعاً: بعد از اسلام عرف و عادت کا ماخذ قانون ہونا: اسلام کی آمد کے بعد بھی عرف کو ثانوی قانونی

حیثیت حاصل رہی حضورﷺ نے بعض معاملات میں عربوں کے عرف کو اختیار کیا اور آپ کی اتباع میں خلفاء راشدین، صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین نے عرف حسنہ کو اسلامی دستور میں داخل فرمایا۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

عرف قرآن کی روشنی میں:

عرف کے مطابق عمل کرنے کا حکم واضح طور پرقرآن حکیم میں ہے۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**خذالعفو وأمر بالعرف**"(۱۶۱) معافی کو اختیار کیجئے اور عرف کے مطابق حکم دیجئے۔

اسلامی قانون کا ایک ماخذ معروف ہے اور معروف سے مراد رواج اور دستور ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد معاملات میں سوسائٹی کے دستور کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔(۱۶۲) اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اولاً: میراث کی آیت نازل ہونے سے پہلے دستور و رواج کے مطابق والدین اور اقربین کو میراث میں سے دیا جاتا تھا۔(۱۶۳)

ثانیاً: جن مطلقہ عورتوں کے مہر مقرر نہ کیے گئے ہوں، ان کو دستور کے مطابق دینے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱۶۴)

ثالثاً: کسی کی مطلقہ بیوی اگر بچے کو دودھ پلائے تو اس کو کھانا پینا اور لباس وغیرہ دستور کے مطابق دیا جائے گا۔(۱۶۵)

رابعاً: اگر غریب آدمی یتیم کے مال کا منتظم ہو تو وہ اپنی محنت کی اجرت دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔(۱۶۶)

خامساً: عرف و عادت سنت نبویﷺ کی روشنی میں: حضورﷺ نے عربوں کے بعض جاہلی دور کے رسم و رواج کو برقرار رکھا جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں عربوں یہ رواج تھا کہ وہ مادی اشیاء کے علاوہ اپنے بیوی بچوں کو رہن رکھتے تھے کہ راہن مرتہن سے کہتا کہ اگرمیں فلاں وقت تک قرض کی رقم تمہارے پاس لے آؤں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر رہن تمہارا ہو گا، یعنی تیری ملکیت ہو گا اورجب راہن، رہن کو شرط کے مطابق مقررہ وقت میں چھڑانے کی طاقت نہ رکھتا تو شے مرہونہ کو مرتہن کی ملکیت تصور کر لیا جاتا تھا۔

عہد اسلام میں دیگر رواجی قوانین کی طرح رہن کا قانون بھی موجود تھا۔ اسلام نے اس قانون کو

برقرار رکھا، البتہ جہاں خرابی تھی اس کو دور کردیا گیا۔ چنانچہ حضورﷺ نے اپنے فرمان: "**لا یغلق الرھن**"(۱۶۷) کے ذریعے غلق رہن (رہن کو اس طرح بند کرنا وہ مرتہن کی ملکیت بن جائے) سے منع فرمایا اور زمانہ جاہلیت کے اس طریقے کو باطل کیا۔

کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت کی روایت جو عربوں میں تھی، حضورﷺ نے اس کو جاری و برقرار رکھا۔(۱۶۸)

سادساً: خلفاء راشدین کے دور میں عرف و عادت کا اعتبار: خلفاء راشدین نے عربوں کی متعدد عادات و رسم و رواج کو برقرار رکھا۔ شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کی مفید عادات کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ ان کو اسلامی معاشرے میں رواج دیا...... مثال کے طور پر بیج، گندم اور جو وغیرہ۔

عربوں کے رواج کے مطابق کیلی اشیاء تھیں، جبکہ سونا اور چاندی وغیرہ موزونی اشیاء میں شمار کیے جاتے تھے۔ حضورﷺ اور خلفاء راشدین نے عربوں کے رواجی قانون اور تجارتی روایات کے مطابق ان کے اس عرف و عادت کو اختیار کیا۔(۱۶۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کاقول ہے:

"**ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن**"(۱۷۰)

یعنی لوگ جس کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے۔

سابعاً: اہل روم، فرانس، انگلستان اور امریکہ کا ماخذ قانون: روم اور فرانس کے شمالی صوبوں کے قانون کا ماخذ رسم و رواج رہے۔(۱۷۱) انگلستان اور امریکہ میں عرف عام قانون سازی کے اصول اساسی میں شمار ہوتا ہے۔(۱۷۲)

اس موضوع پر بکثرت مثالیں موجود ہیں، جن کا مطالعہ کتب تفاسیر، حدیث، سیرت، تواریخ، اور فقہ میں کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ عرف و عادت فقہاء اسلام کی نظر میں:

فقہاء کی رائے میں عرف و عادت شرعی حکم کی بنیاد ہیں جو شے عرف کے اعتبار سے درست ہو شریعت اس کوجائز قرار دیتی ہے۔ یہ بعض صورتوں میں ہے تمام حالات میں یہ حکم نہیں ہے۔(۱۷۳)

ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی نے ڈاکٹر حسین حامد حسان کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو فقہاء عرف کو

ماخذ قرار دیتے ہیں ان کا مقصد یہ نہیں کہ عرف سے احکام شریعت اس طرح صادر ہو سکتے ہیں جس طرح کتاب و سنت سے ہوتے ہیں بلکہ ان کا مطلب ہے کہ نصوص شریعت اور علت بیان کرنے والے فقہاء کے الفاظ کی تعبیر وہ اختیار کی جائے گی جو عرف اور تعامل کے مطابق ہو اور الفاظ کے محض لغوی معنی پر تکیہ نہیں کیا جائے گا۔(۱۷۴)

شرعی اعتبار سے اسی عرف کا اعتبار ہو گا جو عام ہو اور غلبہ کے ساتھ نافذ ہو، مجلّہ میں ہے: ''**أنما تعتبر العادة اذا اطردت او غلبت**'' ''**العبرة للغالب الشايع لاللنادر**''.(۱۷۵)

معروف کے قانون اسلامی کا اصل ماخذ قرآن و سنت اور ان سے اخذ و استنباط پر مبنی ہے مگر اس نے محدود دائرے میں سوسائٹی کے رواج کو عزت دی اور اس کو معروف کے لفظ سے تعبیر کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ رواج، عقل اور فطرت سلیمہ کے لیے قابل قبول ہونا چاہیے(ملخصاً)۔(۱۷۶)

عہد حاضر اور اسلام کے قانون میں ہے کہ عرف قابل لحاظ اور قابل قبول وہی ہے جو شریعت کی نصوص اور اس کے مقاصد کے خلاف نہ ہو۔(۱۷۷)

معروف سے اہل عرب کا معروف مراد ہے، کیوں کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب عرب تھے، لیکن لفظ معروف کا اطلاق صرف عربوں کے عرف پر نہیں ہے بلکہ اور دیگر اقوام کا معروف بھی معتبر ہو گا۔ مفسرین نے معروف کو عام رکھا ہے(ملخصا)۔(۱۷۸)

علامہ ابن کثیر نے آیت: ''**وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف**'' کی وضاحت میں لکھا ہے: ''**أى: وعلى والد الطفل نفقةالوالدات وكسوتهن بالمعروف اى: بماجرت به عادة أمثالهن فى بلدهن من غير اسراف ولا اقتار، بحسب قدرته فى يساره توسطه وأقتاره**''(۱۷۹) یعنی بچوں کی ماں کا نفقہ بچوں کے والد پر ہے وہ اپنے اپنے ملکوں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ زیادتی کریں اور نہ کمی کریں بلکہ وسعت کے مطابق درمیانی خرچہ دیں۔

فقہ حنفی میں معروف پر مبنی جو فتاویٰ ملتے ہیں، ان فتاویٰ میں فقہاء نے اپنے اپنے ملکوں کے عرف کو اختیار کیا ہے۔ یہی عقل کا تقاضا ہے کیوں کہ اسلامی قانون تمام دنیا کے لیے ہے اور اگر معروف کو کسی ایک قوم کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو اس کی حکمت باطل ہو جائے گی (ملخصاً)۔(۱۸۰)

عہد حاضر میں پنکھے، ٹیلی وژن، واشنگ مشین اور ریفریجریٹر وغیرہ پر گارنٹی دی جاتی ہے اور

فروخت کے بعد ایک خاص مدت تک سروس کی شرط کے ساتھ خرابی کو درست کیا جاتا ہے جو کہ عرفاً جائز ہے۔ اسی طرح موٹر سائیکل، کار وغیرہ کی خریداری پرفری سروس کی سہولت دی جاتی ہے۔ حالاں کہ قواعد فقہیہ کی رو سے بیع میں شرط جائز نہیں ہے۔

فقہاء کی رائے میں جو چیز عرف و عادت سے ثابت ہو وہ ایسی ہی ہے جیسے نص شرعی سے ثابت ہو۔(۱۸۱) عام رواج اس وقت حجت بن سکتا ہے جب وہ فقہاء کے صریح حکم کے خلاف نہ ہو...... نیز عرف و عادت کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا جب وہ عام ہو اور غالب ہو جب تک عام لوگوں میں اس کا رواج عام نہ ہو اس کو حکم شرعی کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔(۱۸۲) عادت و عرف جب عام ہو جائیں تو وہ شرط کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ فقہاء کے ہاں اس حوالے سے قاعدہ ملتا ہے:
"المعروف عرفاً کالمشروط شرطا"(۱۸۳)

اس قاعدہ کی بنا پر فقہاء نے رہن کے جواز اور عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل سطور میں مذکور ہے:

عقد رہن میں انتفاع کے حوالے سے عرف کی رعایت:

رہن سے انتفاع کا دار و مدار شرط پر ہے، قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ عقد رہن میں رہن سے انتفاع کی شرط کی دو صورتیں ہیں، صراحت الفاظ کے ساتھ مشروط انتفاع اور عرف کے اعتبار سے مشروط انتفاع۔

صراحت الفاظ کے ساتھ مشروط انتفاع یہ ہے کہ عقد رہن میں نصاً، واضح کلام کے ذریعے زبان کے ساتھ انتفاع کا معاہدہ کیا جائے، تو اس انتفاع کو الفاظ کی صراحت کے ساتھ مشروط انتفاع کہیں گے۔(۱۸۴) اس کی حرمت کا بیان عقد رہن میں انتفاع کی شرط کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے، ذیل میں عرف میں جو نفع مشروط کی طرح متعارف ہے اس کا حکم قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے:

مشروط زیادتی کا ربا ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں:

ربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی مال نہ ہو۔(۱۸۵) وہ قرض جس میں معیاد اور مال پر زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو اور وہ مدیون کے ذمہ ہو وہ ربا ہے۔(۱۸۶) رأس المال پر مدت کے مقابلے میں جو متعین زیادتی لی جائے وہ ربا النسیئہ کہلاتی

ہے۔(۱۸۷) جبکہ معاملہ بیع میں اصل پر وہ زیادتی مراد ہے جو ایک ہی جنس کے بغیر کسی مہلت یا تاخیر کے دست بدست تبادلے کی صورت میں کی جائے، اس کو ربا البیوع بھی کہتے ہیں۔(۱۸۸)

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اپنا مال اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ ہر مہینے مقررہ رقم لیتے رہیں گے اور اصل زر پورا باقی رہے گا۔(۱۸۹)

قرآن پاک نے زمانہ جاہلیت کی رباسے متعلق مروج تمام صورتوں سے منع کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ: "**یاایھاالذین اٰمنوا لاتأکلوا الربٰو......**"(الآیۃ)(۱۹۰) اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ اور دیگر آیات قرآنیہ حرمت ربا پر شاہد ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "**کل قرض جر منفعة فھووجه من وجوه الربوا**"(۱۹۱) ہر قرض جو نفع کھینچ لائے، وہ ربوا کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین سے روایت ہے کہ انہوں نے نفع آور قرض سے منع کیا ہے۔(۱۹۲)

ابن سیرین کا قول ہے:

"**کل قرض جر منفعة فھو مکروہ قال معمر وقاله قتادة**"(۱۹۳)

ہر وہ قرض جو نفع آور ہو، وہ مکروہ ہے، معمر نے کہا اور اسی طرح اس کو قتادہ نے بھی کہا۔

"**کل قرض جر**" والی حدیث میں "جر" کا لفظ معاہدہ قرض میں طے کر کے زائد رقم کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو بکر جصاص نے تعریف میں "**المشروط**" کا لفظ بڑھا دیا ہے۔ چوں کہ یہ اضافہ معاہدے میں طے نہیں، اس وجہ سے اسے ربا نہیں کہا جائے گا۔(۱۹۴)

ابن سیرین سے روایت ہے:

"**قال استقرض رجل من رجل خمس مائة دینار علی ان یفقرہ ظھر فرسه فقال ابن مسعود ما اصبت من ظھرفرسه فھو ربا**"(۱۹۵)

ایک شخص نے دوسرے شخص سے پانچ سو دینار اس شرط پر ادھار لیے کہ وہ اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرائے گا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جتنی سواری تم نے کی ہے وہ سب سود ہے۔

ابن مسعود کا دوسرا قول: امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"من اسلف سلفا فلا یشترط افضل منه وان کان قبضة من علف فهو ربا"(۱۹۶)
جو قرض دے تو اس سے زیادہ کی شرط نہ رکھے، اگر وہ مٹھی بھر گھاس ہو، تب بھی (زیادہ کی شرط کی وجہ سے) وہ سود ہے۔

حدیث ابن مسعود کی بنا پر شیخ محمود احمد نے معین نفع اور غیر معین نفع کی تقسیم کی اور کہا کہ نفع سے مراد معین نفع ہی ہے، کیوں کہ غیر معین نفع کی شرط تو مضاربت میں بھی ہے، لیکن باوجود مشروط قرض ہونے کے مضاربت جائز ہے۔(۱۹۷)

فقہاء کی آراء: احناف کی رائے میں جب مرتہن کا مرہون سے انتفاع، معاہدے کے ذریعے مشروط ہو جائے اور باہم اس شرط پر عمل ہو جائے تو بالاجماع حرام ہے۔(۱۹۸) نفع مشروط بر بنائے قرض سود اور حرام ہے، اگر عقد رہن میں انتفاع کی شرط ہو تو یہ قرض ایسا ہو گا، کہ جس میں منفعت ہے اور یہ ربا ہے۔(۱۹۹)

نفس قرض کے ساتھ جن شرائط کا تعلق ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو اور حضورﷺ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس میں نفع حاصل کرنا مقصود ہو۔(۲۰۰)

جامع الرموز میں ہے:

"اذا شرط فیه من الانتفاع بالرهن کا لاستخدام والرکوب والزراعة واللبس وشرب اللبن واکل الثمر فان الکل ربا حرام"(۲۰۱).
جب رہن میں مرتہن کے لیے انتفاع کی شرط لگائی جائے، جیسے خدمت لینا، سواری کرنا، کھیتی باڑی کرنا، لباس پہننا، دودھ پینا اور پھل کھانا یہ سب ربا میں شامل اور حرام ہے۔

بعض احناف کی رائے میں اجازت کے ساتھ انتفاع جائز ہے، اجازت کے ساتھ انتفاع اس وقت سود ہو گا، جب رہن کے عقد میں یہ شرط ہو کہ مرتہن اس سے نفع حاصل کرے گا۔(۲۰۲) اکثر فقہاء احناف کے نزدیک قرض کی طرح عقد بیع کے وقت مال مرہون سے انتفاع کی شرط لگانا درست نہیں اس لیے کہ یہ "کل قرض" میں داخل ہے۔(۲۰۳)

ابن قدامہ نے فرمایا:

"کل قرض شرط فیہ ان یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف"(٢٠٤)

ہر وہ قرض جس میں اضافہ کی شرط لگائی گئی ہو تو وہ بلا کسی اختلاف کے حرام ہے۔

شافعیہ کی رائے میں قرض میں اس قرض سے منع کیا گیا ہے جو منفعت کو کھینچ کر لائے اور عقد میں نفع کی شرط ہو، البتہ قرض کی ادائیگی سے زیادہ دینا مستحب ہے۔ مقرض اس زیادتی کو لے سکتا، چاہے قرض پر زیادتی صفتاً ہو یا عدداً ہو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔(٢٠٥)

فقہاء کی رائے میں "**کل قرض جر نفعا فھوحرام**" کے شرعی قاعدے کے مطابق اس بات کی تصریح کی ہے کہ قرض دار مقرض کو اتنا ہی مال یا اس کے برابر لوٹائے گا جتنا اس نے لیا ہے، اس سے زائد لوٹانا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ربا ہے، البتہ اس مقید حرمت کا اطلاق اس وقت ہو گا جب قرض کا نفع مشروط یا متعارف ہو، جیسا کہ فقہ السنۃ میں ہے: "**لا یجوز ان یرد المقترض الی المقرض الا ما اقترضہ منہ او مثلہ تبعاً للقاعدۃ الفقھیۃ القائلۃ: کل قرض جر نفعاً فھو رباً والحرمۃ مقیدۃ ھنا بما اذا کان نفع القرض مشروطا او متعارفا علیہ**"(٢٠٦) قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت کے مقابلے میں شرط اور تعین سے لی جائے وہ سود ہے۔(٢٠٧)

ڈاکٹر طاہر القادری کی رائے میں سود تب متحقق ہوتا ہے، جب قرض خواہ کو ادائیگی قرض میں کچھ مہلت یا تاخیر کی سہولت مہیا کی جائے اور اسی مہلت و تاخیر کے معاوضے میں زراصل پر زیادتی کی شرط عائد کی جائے، ان کی رائے میں سود کے متحقق ہونے میں دو امور بالکل واضح ہیں:

الف۔ زر اصل پر زیادتی مشروط ہو جو وقت معاملہ طے کر لی گئی ہو اسے (Express Fixation of Access) کہا جائے گا۔ متعارف زیادتی بھی اسی کے تحت آتی ہے کیوں کہ وہ مشروط کی مثل ہے، جسے (Implied Fixation) تصور کیا جاتا ہے۔

ب۔ یہ زیادتی معاوضہ وقت (نظیر التاجیل) کے طور پر متعین کی گئی ہے، یعنی ادائیگی قرض میں مہلت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جائے۔(٢٠٨)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت اس وقت واقع ہوتی ہے، جب اصل قرض کی رقم پر اضافہ عقد قرض میں بطور شرط لازم کیا گیا ہو۔ حدیث: "**کل قرض جر نفعا فھوحرام**" میں اسی مشروط زیادتی کو ربا قرار دیا گیا ہے۔ قرض پر بڑھوتی اور وقت دونوں کا متعین ہونا ہی معاملہ کو سودی

بناتا ہے۔(۲۰۹) باقی رہی قرض پر غیر مشروط و غیر متعارف زیادتی، تو ایسی زیادتی کل قرض کے تحت نہیں، بلکہ احسان کے تحت آتی ہے اور احسان کے طور پر زر اصل کو اضافے کے ساتھ لوٹانا، سود نہیں ہے بلکہ شریعت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔

عرف کے اعتبار سے مشروط انتفاع:

عرفاً مشروط انتفاع ہے جس میں واضح کلام کے ذریعے زبان کے ساتھ انتفاع کے متعلق کچھ نہ کہیں، البتہ عرفاً رسم و رواج کے حکم کے تحت انتفاع کی شرط از خود معلوم و ما خوذ ہو تو اس صورت میں بھی انتفاع حرام اور سود ہے۔(۲۱۰)

ربا کی حرمت پر قرآن و سنت میں واضح دلائل موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض پر متعین زیادتی جو کسی مدت کے مقابلے میں لی جائے وہ ربا ہوگا۔ فقہاء کی رائے میں جو معروف ہے، اس کا حکم مشروط کی طرح ہو تا ہے، عرف کے متعلق فقہی ضابطہ درج ذیل ہے:

قاعدہ عرف: جو امر ظاہری عرف (Custom) میں مشہور و معروف ہو وہ ذکر کیے بغیر بھی مشروط کی طرح ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے: "**فان المعهود كالمشروط لفظا**"(۲۱۱) اس لیے کہ جو عرف (Custom) کے اعتبار سے معہود ہو، وہ ایسا ہی ہے، جیسے لفظوں میں مشروط ہو۔

المجلہ میں ہے:

"**المعروف عرفا كالمشروط شرطا**"(۲۱۲)

جو شے عرف کے طور پر متعارف ہو، وہ شرط کے طور پر معلوم و متعارف ہو گی۔

رہن سے انتفاع کا حکم:

فقہاء نے معروف کو مشروط کے حکم میں داخل کیا ہے، چنانچہ اگر مرہون سے انتفاع کا رواج عام ہو اور تو عرف کے پیش نظر یہ سمجھا جائے گا کہ راہن نے مرتہن کو مجبورا انتفاع کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت "**المعروف كالمشروط**" کے تحت جائز نہ ہو گی۔(۲۱۳)

فتح القدیر میں ہے:

"**الغالب من احوال الناس انهم أنمايريدون عند الدفع الانتقاع ولولاه لما اعطاه الدراهم و هذابمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو ممايعين المنع**"(۲۱۴)

لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے

ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو تو دراہم قرض پر نہ دیتے اور یہ شرط کے قائم مقام ہے، کیوں کہ معروف کا حکم مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے، اس سے ممانعت کا تعین ہوتا ہے۔

الاشباہ میں ہے:

"یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن"(۲۱۵)

یعنی مرتہن کے لیے راہن کی اجازت کے باوجود رہن سے انتفاع مکروہ ہے۔

رد المحتار میں تتارخانیہ کے حوالے سے منقول ہے:

"ولو استقرض دراھم وسلم حمارہ الی المقرض لیستعملہ الی شھرین ،حتی یوفیہ دینہ او دارہ لیسکنھا فھو بمنزلۃ الاجارۃ الفاسدۃ ان استعملہ فعلیہ اجر مثلہ ولا یکون رھنا"(۲۱۶)

اگر کسی نے دراہم قرض لیے اور اپنا گدھا مقرض کے حوالے کیا، تا کہ وہ دو ماہ تک اس کو استعمال کرے، یہاں تک کہ وہ اس کا دین ادا کر دے، یا اپنا گھر رہن رکھا تا کہ وہ اس میں رہے، تو یہ اجارہ فاسدہ کے بمنزلہ ہے، اگر اس نے استعمال کیا تو اس پر اجر مثلی ہے اور وہ رہن نہیں ہو گا۔

ڈاکٹر وہبۃ زحیلی نے کہا کہ مرہونہ گھروں کے متعلق ہمار ے زمانہ کے لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ قرض ا س شرط پر دیتے ہیں کہ جب تک راہن اس کو اس کا دین لوٹا نہ دے، مرتہن اتنی دیر مرہونہ گھر میں سکونت اختیار کرے گا اور یہ ایسا قرض ہے جو مذاہب کے اتفاق کے ساتھ ناجائز ہے، عقد بیع وفا کی قسم سے نہیں ہے کیوں کہ لوگوں کے مقاصد بیع کی طرف نہیں پھرتے۔(۲۱۷)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"ھذا بعینہ حال اھل الزمان یعرفہ منھم کل من اختبر و معلوم ان احکام الفقہ انما تبنی علی الکثیر الشائع ولا تذکر حال شذت وندرت فیہ الجواز کما نص علیہ المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر و غیرہ من العلماء الکرام فالحکم فی زماننا ھو اطلاق المنع لایرتاب فیہ من لہ المام بالعلم"(۲۱۸)

یہی ہمارے زمانے کے لوگوں کا حال ہے جس کو ہر با خبر شخص جانتا ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد کثرت سے واقع ہونے والے مروج حال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیا جاتا جس میں جواز شاذ و نادر ہو جس طرح صاحب فتح القدیر و دیگر علماء نے نص فرمائی

ہے، پس ہمارے دور میں مرہون سے مطلقاً انتفاع کی ممانعت کا حکم ہے اور اس میں علم سے تھوڑا سا تعلق رکھنے والے شخص کو شک نہیں ہو گا۔

موجودہ دور میں مرہونہ سے انتفاع: عہد حاضر میں عاقدین (دو معاہدۂ رہن کرنے والوں) کے درمیان بغیر فرض کئے انتفاع کا چل چلاؤ ہے، عرف اور رسم و رواج زمانہ سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو تا ہے، کہ لوگ نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے والے بغیر ذکر کیے اس کو قرار یافتہ سمجھتے ہیں۔ اگر مرتہن کو یہ معلوم ہو کہ اس کو نفع نہیں ملے گا تو وہ ہر گز معاہدہ رہن نہ کرے اور اسی طرح راہن قرض کی وجہ سے مجبوری کے تحت انتفاع کی اجازت دیتا ہے۔ مرتہن نفع کو اپنا حق سمجھتا ہے اور راہن کو اس پر مجبور کرتاہے۔ یہ انتفاع اگرچہ لفظاً مشروط نہیں لیکن عرفاً مشروط و معہود ہے۔ اس بنیاد پر حکم مطلق حرمت و ممانعت کا ہے۔ لہذا عقد رہن میں اگرچہ انتفاع کا ذکر نہ بھی ہو تو عرفاً معروف و مشروط قرار پا کر حرام ہو جاتا ہے۔ رہی بات راہنوں کی اجازت کی تو وہ قطعاً اسی عرف (Custom) پر مبنی اور اسی قرض کے دباؤ کے تحت پیدا ہونے والی ہے۔ اگر یہ دباؤ نہ ہوتا تو وہ ہر گز انتفاع کی اجازت نہ دیتے۔(۲۱۹)

صاحب فتاویٰ نذیریہ نے بھی عدم انتفاع کی تائید میں عرف (Custom) کے اسی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔(۲۲۰)

موجودہ دور میں غالب گمان یہی ہے کہ لوگ آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے دوسروں کو زمین رہن پر دیتے ہیں، اور سود راہن کے انتفاع کی اجازت کے دینے کے باوجود حلال نہیں ہوتا اور قاعدہ ہے: "**المعروف کالمشروط**"(۲۲۱)

بہار شریعت میں ہے کہ موجودہ دور میں صورت حال یہ ہے کہ لوگ قرض دے کر اپنے پاس اسی مقصد کے لیے رہن رکھتے ہیں کہ نفع اٹھائیں اور یہ اس درجہ مشہور و معروف ہے، کہ مشروط کی حد میں داخل ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔(۲۲۲)

کفایت المفتی میں ہے کہ راہن کی اجازت کے باوجود انتفاع کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجازت حقیقی نہیں بلکہ دباؤ یا ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اجازت راہن دیتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ مرتہن، راہن سے یہ کہے کہ تم چاہو تو اجازت دو چاہو تو نہ دو تو راہن منافع مرہون کو دینا ہر گز گوارہ نہ کرے، تو سمجھ لیجئے کہ یہ اجازت حقیقی نہیں ہے۔(۲۲۳)

انتفاع رہن میں ہدیہ کے عرف کی رعایت:

قرض پر کسی قسم کے ہدیہ کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے، یحییٰ بن ابو اسحاق الھنائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے قرض لے پھر اس کے بعد وہ اس کو ہدیہ بھیجے (تو کیسا ہے؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورﷺ نے فرمایا ہے: "**اذا اقرض احدکم قرضافأھدی له أو حمله علی الدابة فلایر کبھاو لایقبله الا أن یکون جری بینه وبینه قبل ذٰلک**"(۲۲۴) جب تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے پھر وہ اس کے لیے ہدیہ کرے یا اس کو سواری پر سوار کرے تو وہ نہ تو سوار ہو اور نہ ہی ہدیہ قبول کرے، مگر یہ کہ ان میں ایسا کرنا پہلے سے جاری ہو۔ اس نے قرض دیا تو ہدیہ نہ لے، یعنی وفا سے پہلے۔(۲۲۵)

اس حدیث سے قرض پر ہدیہ لینے کی ممانعت واضح ہے۔ فقہاء کی رائے میں حدیث مذکورہ سے مشروط ہدیہ مراد ہے یعنی اگر ہدیہ شرط کے ساتھ ہو تو وہ منع ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

> "**لو اھدی المستقرض للمقرض: ان کانت بشرط کرہ والا فلا**".(۲۲۶)
>
> اگر مقروض قرض دہندہ کو ہدیہ تحفہ دے وہ اگر شرط کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے، ورنہ مکروہ نہیں ہے۔

ابن منذر نے کہا:

> "**اجمعوا علی ان المسلف اذا شرط علی المستسلف زیادۃ ام ھدیة فاسلف علی ذالک ان اخذ الزیادۃ علی ذالک ربا**"(۲۲۷)
>
> فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض دینے والے نے قرض پر اضافہ یا ہدیہ کی شرط لگائی اور اس پر قرض دیا پھر اضافہ لیا تو وہ سود ہو گا۔

مالکیہ کی رائے میں...... حالت قرض میں انتفاع جائز نہیں ہے، اگرچہ راہن نے مرتہن کو رضا کارانہ طور پر رہن سے انتفاع کی اجازت دی ہو، یعنی مرتہن نے منفعت کی شرط نہ لگائی ہو اور راہن نے اس کو اپنی مرضی سے انتفاع کی اجازت دی ہو تو یہ انتفاع درست نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ ہدیہ مِدیان ہے، یعنی بہت زیادہ قرض دینے والے کا ہدیہ ہے، جس سے نبیﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۲۲۸) اگر مال قرض کے بدلے میں رہن ہو تو کسی حالت میں بھی اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے۔ خواہ اس کی شرط ہو یا نہ ہو اور راہن نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اور انتفاع کے لیے مدت مقرر ہو یا نہ ہو کیوں کہ ایسا قرض جس میں انتفاع کیا جائے سود اور حرام ہے۔(۲۲۹)

مالکیہ نے مذکورہ بالا حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہدیہ لینے سے منع کیا احتیاط اسی میں ہے مگر حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ ہدیہ مراد ہے جو عقد کے وقت سے قرض میں مشروط ہو، اگر ایسی صورت نہ ہو تو ہدیہ جائز ہے، ان میں ہدیہ کا عرف و رواج ہو تو وہ ہدیہ کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ قرض دار ہونے کے باوجود صحابہ میں ایسے ہدیہ کے تبادلے کا ذکر ملتا ہے۔(۲۳۰)

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرلوگوں کے مابین ہدیہ کا لین دین جاری ہو تو قرض کے لین دین کے بعد بھی ہدیہ کا تبادلہ کرنا ان کے لیے جائز ہے۔

علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ ہدیہ اور عاریہ وغیرہ جب قرض کی مدت میں مہلت لینے کے لیے ہو یا قرض خواہ کو رشوت دینے کے لیے ہو یا قرض کے بدلے میں قرض خواہ کو نفع پہنچانے کے لیے ہو، تو وہ حرام ہے۔ کیوں کہ سود اور رشوت کی ایک قسم ہے اور اگر یہ قرض کے لین دین سے پہلے قرض دار اور قرض خواہ کے ما بین جاری عادت و رسم کی وجہ سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲۳۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہؓ نے حضرت ابی بن کعب کا ہدیہ پہلے رد کر دیا پھر جب ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حسن نیت کا علم ہوا تو ہدیہ قبول کر لیا۔(۲۳۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ؓ نے قرض سود کی غرض سے نہیں دیا تھا اور نہ ہی حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے قرض کو مد نظر رکھتے ہوئے، رشوت یا قرض میں مہلت کی غرض سے ہدیہ بھیجا نہیں، بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ بھیجنا صحابہ اور تابعینؒ میں مروج تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں ایک مچھیرے کا پڑوسی ہوں اور میں نے اسے پچاس درہم قرض دیا ہوا ہے اور وہ میری طرف مچھلی بھیجتا رہتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا حساب کر اگر اس کی قیمت تمہارے قرض سے زیادہ ہو گئی ہے تو زیادہ مقدار واپس کر دے اور اگر برابر ہے تو اس کا بدلہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھیرے کا پڑوسی کے گھر متعدد مرتبہ مچھلی بھیجنا شاید فروخت کی نیت سے (متعارف) تھا یہ بھی ممکن ہے کہ قرض لینے والے شخص کے دل میں بار بار ہدیہ بھیجنے جانے سے شک پیدا ہوا ہو اور اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہؓ سے مسئلہ پوچھا ہو اور آپ نے اس شخص کو حساب کرنے کا حکم دیا ہو۔(۲۳۳)

جملہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینے والا کسی قسم کے ہدیہ یا نفع کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور

نہ ہی ہدیہ وغیرہ کی شرط عائد کر سکتا ہے لیکن اگر قرض لینے اور دینے والے کے مابین ہدیہ وغیرہ کے تبادلے کا رواج ہو تو اس صورت میں فقہاء نے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے جواز کا قول نقل کیا ہے۔

رہن سے انتفاع میں احسان و مروت کی رعایت:

غیر مشروط اور غیر متعارف انتفاع کے جواز پر فقہاء نے قرآن و سنت سے استدلال کیا ہے ان کی رائے میں جب دین پر زیادتی، عقد میں مشروط ہو تو اتفاق کے ساتھ حرام ہے۔(۲۳۴) البتہ عقد ہو چکے اور اس کے بعد راہن نے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دی تو یہ صورت جائز ہے۔(۲۳۵) لیکن رہن سے انتفاع کی یہ اجازت، بغیر کسی خارجی دباؤ یا ماحول سے مجبور ہوئے، محض خوشی و رضا اور اذن سے ہونی چاہیے۔(۲۳۶) فقہاء نے رہن سے انتفاع کے جواز یا عدم جواز میں شرط(۲۳۷) کو معیار قرار دیا ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بر بنائے قرض حرام ہے اور اگر قرض میں اس کا لحاظ نہ ہو، پھر آپس کی رضا مندی سے کوئی منفعت بطور احسان حاصل ہوئی تو وہ منفعت حسن سلوک کی بنیاد پر ہے، نہ کہ قرض کہ بنیاد پر، باہمی رضا مندی کے ساتھ کوئی نفع محض احسان اور مروت کے طور پر حاصل ہو تو وہ نفع بر بنائے حسن سلوک ہے۔ ایسا نفع مباح ہے، سود کے زمرے میں نہیں آتا۔(۲۳۸)

احناف کی رائے میں مرتہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفع کی غرض سے نہیں بلکہ توثیق دین کی غرض سے قرض دے اور راہن اور مرتہن عقد رہن کے وقت صراحت کے ساتھ یہ طے کر لیں کہ مرتہن کسی قسم کا نفع اٹھانے کا مجاز نہ ہو گا۔ اس کے بعد راہن اگر اپنی خوشی سے انتفاع کی اجازت دے اور مرتہن اجازت کی بنیاد پر نہ کہ استحقاق کی بنا پر انتفاع کرے اور راہن کے منع کرنے پر فوراً منع ہو جائے ایسا انتفاع جب تک راہن کی مرضی ہے، حلال ہے:

> **"وذٰلک لان ما صار معروفا لایصیر مرفوعا بالسکوت فلا یکفی عدم الشرط بل شرط العدم کی یفوق الصریح الدلالة"(۲۳۹)**
>
> یہ اس لیے ہے کہ جو چیز معروف ہو چکی ہو وہ چپ رہنے سے مرفوع نہیں ہو جاتی۔ لہٰذا شرط نہ لگانا کافی نہیں ہے، بلکہ عدم نفع کی شرط ضروری ہو گی تاکہ صریح دلالت کو فوقیت ہو جائے۔

اگر فروخت کنندہ نے مال رہن سے استفادہ کی شرط نہیں لگائی، قبل ازیں اس شخص کا دوسرے خریداروں کے ساتھ مرہونہ مال سے انتفاع معلوم و معروف نہ ہو اور نہ ہی اس خطے میں مال مرہون

سے انتفاع کا رواج اور چلن ہو تو اس صورت میں خریدار کی اجازت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اگر مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے تو انتفاع جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ لین دین کے معاملے میں ایک فریق کی طرف سے ایسے اضافے کو مشروط کرنا ہے، جس کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جا رہا ہے اور فقہاء کے نزدیک معروف مشروط کے حکم میں ہے۔(۲۴۰)

بدون شرط برضا و رغبت اجازت انتفاع: شرط کے بغیر انتفاع کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر مرتہن عقد رہن کے ہونے سے پہلے انتفاع کر رہا تھا تو عقد کے بعد بھی وہ استفادہ کر سکتا ہے۔ خواہ عقد بیع کی صورت میں شے کو رہن رکھا گیا ہو یا عقد قرض کی صورت میں۔(۲۴۱) رہن میں انتفاع کی شرط نہ ہو اور بغیر شرط کے راہن اپنی مرضی سے مال مرہون میں مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے، تو انتفاع درست ہو گا۔(۲۴۲) جب انتفاع مشروط اور متعارف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ درالمختار میں ہے:

"قالوا اذا لم تكن المنفعة مشروطة ولا متعارفة فلا باس"(۲۴۳)

فتاویٰ امدادیہ میں ہے کہ انتفاع بلا اشتراط و بلا تعارف جائز ہے۔(۲۴۴)

فتح القدیر میں ہے:

"الا ترى انه لو قضاه احسن مما عليه لا يكره اذا لم يكن مشروطا وقالو انما يحل ذٰلک عند عدم الشرط اذا لم يكن فيه عرف ظاهر فان كا ن يعرف ان ذٰلک يفعل كذٰلک فلا"(۲۴۵)

اگر قرض میں نفع مشروط نہ ہو اور وہ احسن طریقے سے اس کو ادا کر دے تو یہ مکروہ نہیں ہے، قرض میں نفع شرط نہ ہونے کی بنا پر حلال ہے۔ فقہاء نے کہا کہ قرض میں نفع حلال ہے جبکہ اس میں نفع کی شرط نہ پائی جائے۔ نیز قرض پر بلاشرط نفع دینے میں عرف (Custom) نہ ہو اور اگر یہ ظاہر ہو، کہ وہ ایسا کرتا ہے تو حلال نہیں ہے۔

عہد حاضر کے فقہاء نے مرتہن کو انہی دو بنیادوں پر انتفاع کی اجازت دی ہے:

۱۔ عقد معاملہ کے وقت انتفاع کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

۲۔ بعد میں راہن نے انتفاع کی اجازت دی ہو۔(۲۴۶) رہن غیر مشروط میں مرتہن ضامن نہیں ہوتا ہے۔(۲۴۷) کیوں کہ یہ مرتہن کے لیے راہن کی طرف سے نیکی ہے۔(۲۴۸) امام محمدؒ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ہم نے یہ اخذ کیا ہے کہ (قضاء دین کے وقت زیادہ دینے

میں) کوئی حرج نہیں جب کہ بغیر کسی شرط کے ہو۔(۲۴۹) جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "من اسلف سَلَفاً فلا یَشترط الا قضاء ہ"(۲۵۰) یعنی جس نے پیشگی قرض دیا تو وہ (عقد میں) صرف اس کی مثل کی ادائیگی کی شرط لگائے۔

فقہاء احناف کے نزدیک: "ان شرطه کان ربوٰ والا "(۲۵۱) اگر عقد رہن میں منافع لینا شرط کر لیا، تو یہ سود ہے اگر شرط نہیں کیا تو سود نہیں ہے۔

علامہ شوکانی نے کہا: "ویجوز ان یکونَ افضلَ او اکثرَ اذا لم یکن مشروطا"(۲۵۲) اور یہ جائز ہے کہ قرض اس رقم سے افضل یا زائد ہو جبکہ یہ پہلے مشروط نہ ہو۔

اجماع ائمہ: امام طحاوی کے نزدیک اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔(۲۵۳)

جملہ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اگر رہن میں انتفاع کی شرط لگائی گئی ہو تو مشروط انتفاع کے زمرے میں آئے گا اور اگر بلا شرط راہن یا مرتہن نے باہمی اجازت سے استحساناً انتفاع کیا تو جائز ہے۔

قرض حسنہ کی ادائیگی میں عرف کا اعتبار:

حسن قضاء میں عرف کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے بخاری شریف میں روایت ملتی ہے کہ حضورﷺ نے متعدد مرتبہ قرض لے کر ادائیگی کے وقت کچھ زیادہ عطا فرمایا۔ جیسا کہ بخاری ومسلم میں ہے(۲۵۴) وغیرہ میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضورﷺ نے قرض لیا اور اضافے کے ساتھ واپس لوٹایا(۲۵۵) اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرض چار دینار کا تھا حضورﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

> "اقضه و زده فاعطاه اربعةَ دنانير وزاده قيراطا قال جابر لا يُفارقنى زيادةُ رسول اللهﷺ"(۲۵۶)
>
> یعنی اسے قرض اضافے کے ساتھ لوٹا دو چنانچہ حضرت بلال نے مجھے چار دینار اور ایک قیراط عنایت کیا اور میں نے حضورﷺ کی طرف سے ملنے والے اضافے کو ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھا۔

حدیث مذکورہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضورﷺ نے مطلقاً اضافے کے ساتھ قرض

لوٹانے کا حکم دیا اور اضافے کی مقدار متعین نہیں فرمائی لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس پر ایک قیراط کا اضافہ کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا سبب لکھتے ہوئے کہا:

"وزاده ای زاد علی الثمن فاعطاه وزاد ہ قیراطا فانه ﷺ لم یذکر عند امره باعطاء الزیادة مقد ارها فاعتمد بلال علی العرف فی ذٰلک فزاده قیراطا "(۲۵۷)

حضور ﷺ نے فرمایا اس میں اضافہ کر یعنی اس رقم کو اضافے کے ساتھ لوٹا۔ پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وہ رقم ایک قیراط کے اضافے سے ادا کی۔ چوں کہ حضور ﷺ نے اپنے حکم میں اضافے کی مقدار کا ذکر نہیں فرمایا تھا لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں رواج پر اعتماد کیا اور مروج طریق کے مطابق ایک قیراط کا اضافہ کیا۔

ڈاکٹر طاہر القادری کے بقول ابن حجر عسقلانی کی وضاحت سے تین امور قطعی طور پر ثابت ہوئے:

۱۔ قرض کی ادائیگی مقدار اضافے کے ساتھ جائز بلکہ سنت نبوی ﷺ ہے۔

۲۔ حسن قضاء کے طور پر احسان اضافے کی مقدار بصورت رواج متعین ہو سکتی ہے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے عہد میں رواجی قانون کے طور پر قرضہ جات کے حسن قضا ء کے ضمن میں اضافی مقدار متعین تھی آپ ﷺ نے اس رواج کو قبول فرمایا۔(۲۵۹)

مؤطا امام محمد میں ہے:

"استسلف عبداللہ بن عمر من رجل دراھم ثم قضی خیرا منھا فقال الرجل ھٰذہ خیر من دراھمی التی اسلفتک قال ابن عمر قد علمت ولکن نفسی بذٰلک طیبة"(۲۵۹)

یعنی ایک شخص سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قرضہ لیا پھر اس سے زیادہ لوٹایا تو اس شخص نے کہا کہ یہ تو میرے دیے ہوئے قرض سے زیادہ ہیں تو آپ نے فرمایا مجھے (اس کا زیادہ ہونا) معلوم ہے لیکن زیادہ دے کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔

شافعیہ کی رائے میں قرض کی ادائیگی میں زیادتی مستحب ہے اور مقرض کے لیے لینا جائز ہے۔(۲۶۰)

مذکورہ دلائل کی روشنی میں رہن سے انتفاع کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، مرہون پر سواری اور دودھ

دوہنے کا انتفاع غیرمشروط و غیر متعارف ہو تو استحساناً جائز ہے۔ اگر راہن ایسے انتفاع کی اجازت دے، تو یہ انتفاع ''کل قرض '' کے تحت نہیں آئے گا۔

نتائج بحث:

رہن سے انتفاع کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کی آراء کے جائزہ کے بعد نتائج بحث یہ رہے:

- ☆ عقد رہن میں مقتضی عقد کے مطابق شرط لگانا جائز ہے۔
- ☆ وہ شرط جو تاجروں کے عرف (Custom) میں ہو وہ عقد کے اندر داخل سمجھی جائے۔
- ☆ عقد رہن میں صریحاً انتفاع کی شرط ربا ہونے کی وجہ سے بالاجماع ناجائز ہے۔
- ☆ قرض کے مقابلے میں رہن سے صلب عقد میں مرتہن کے انتفاع کی صریحاً شرط لگانا ناجائز ہے اور ایسا انتفاع سود اور بالاجماع حرام ہے۔
- ☆ قرض میں کسی قسم کے ہدیہ، اجارہ، اعارہ اور اباحت وغیرہ کی شرط لگانا ناجائز ہے۔
- ☆ بیع کے مقابلے میں رہن سے انتفاع کی شرط جائز ہے بشرطیکہ منفعت اپنی مدت کے ساتھ معلوم ومتعین ہو تاکہ اجارہ کو فاسد کرنے والی جہالت سے نکلا جاسکے (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ)۔
- ☆ بعد از عقد رہن راہن کی اجازت کے ساتھ مرتہن کے انتفاع کو بعض فقہاء نے مکروہ کہا ہے مگر انتفاع کی کراہت اس وقت ہو گی جب عقد میں انتفاع یا ہدیہ کی شرط لگائی گئی ہو اور اگر نفع مشروط اور متعارف نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، بلکہ صحیح ہے۔ فقہاء کی اکثریت نے چند شرائط کے ساتھ اس انتفاع کے جواز کا قول نقل کیا ہے:
- ☆ عرف میں انتفاع کا رواج نہ ہو۔
- ☆ عقد رہن کے بعد انتفاع کی اجازت دی گئی ہو۔
- ☆ راہن نے بغیر کسی خارجی دباؤ یا ماحول سے مجبور ہوئے محض خوشی اور رضا کے ساتھ انتفاع کی اجازت دی۔
- ☆ قرض کی ادائیگی میں عرف کو مدنظر رکھ کر عرف کے مطابق زیادتی کو ادا کیا جا سکتا ہے۔
- ☆ ہدیہ کے تبادلے کا عرف ہو تو وہ مشروط انتفاع میں نہیں آئے گا۔ (واللہ تعالی اعلم بالصواب)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مختار الصحاح، امام محمد بن ابو بکر بن عبدالقادر الرازی، مترجم پروفیسر عبد الرزاق، باب الراء ص / ۳۷۱، ط / ۲۰۰۳ء، دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی، پاکستان۔ رِھَان اور رُھُن دو قرأتیں ہیں، جمہور قراء عشرہ نے راء کی زیر اور ھاء کی زبر جبکہ ابن کثیر اور اور ابو عمرو نے راء اور ھا کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے (تفسیر التحریر و التنویر، الشیخ محمد طاہر ابن عاشور، ۲/۵۸۴، ط/۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰م، مؤسسۃ التاریخ بیروت، لبنان)۔ علامہ زمخشری نے ''فرُھُن'' اور ''فرُھن'' ھاء کی پیش اور جزم کے ساتھ پڑھا ہے (الکشاف، جار اللہ الزمخشری، ۱/۳۲۸، ط/الاولی، ۱۴۱۶ھ، دار الکتاب العربی بیروت، لبنان۔

۲۔ مختار الصحاح، باب الراء ص/۳۷۲۔

۳۔ تفسیر القرطبی، ابو عبداللہ، محمد بن ابی بکر بن فرح، الانصاری، الخزرجی، الاندلسی (م ۶۷۱ھ)، ۳/۲۶۴، ط/الثالث، ۱۳۸۷ھ، دارالکتب المصریۃ و دارالکتب العربی بیروت، لبنان۔ (المحرر الوجیز ابو محمد، عبدالحق ابن عطیہ الاندلسی، ۲/۵۲۳، ط/الاولی، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱م، من مطبوعات رئاسۃ المحاکم الشرعیۃ الشؤون الدینیۃ بدولۃ القطر)۔

۴۔ مختار الصحاح، باب الراء، ص/۳۷۲۔

۵۔ الفقہ الاسلامیؒ وادلتہ ، الدکتور، وھبۃ الزّحیلی، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۱۸۰/۵، ط/الثالثۃ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹م، دمشق۔

۶۔ الھدایۃ، الامام، ابو الحسن، برھان الدین، علی بن ابی بکر، المرغینانی (م۵۱۱ھ۔۵۹۳ھ)، کتاب الرھن، ۲/۵۱۳، ط/۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵م، وزارۃ التعلیم الفیدرالیۃ، باسلام آباد۔ اشعۃ اللمعات، عبدالحق، محدث، دھلوی، کتاب الرھن، باب السلم، ۴/۵۱۳، ط/۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء، فرید بک سٹال لاھور۔ بدائع الصنائع، ابوبکر بن مسعود، الکاسانی(م ۵۸۷ھ)، کتاب الرھن، ۶/۳۴۷، ط/اول، ۱۹۹۱م، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور۔ مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، شرح الشیخ محمد الشربینی الخطیب علی متن المنہاج لابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی، کتاب الرھن، ۲/۱۲۱، ط/الاولی، ۱۳۹۹ ھ/۱۹۷۹م، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ابوالطیب، محمد شمس الحق العظیم آبادی، باب فی الرھن، ۹۔۱۰/۳۱۹، ط/الاولی ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸م، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

۷۔ کتاب التعریفات، العلامۃ، السید، الشریف، الحنفی، الجرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ)، باب الراء، ص/۸۲، ط/بدون تاریخ، مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان۔

۸۔ المدثر/۳۸۔

۹۔ ترمذی شریف میں ''مرھونۃ'' کی جگہ ''معلقۃ'' کا لفظ آیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (سنن الترمذی، امام، ابوعیسی، محمد بن عیسی الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء عن النبی ﷺ انہ قال نفس المؤمن ...... ۳/۲۷۰ (ح ۱۰۸۴)، ط /الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م، دار الفکر) البتہ نہایۃ المحتاج میں یہ حدیث مذکورہ الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ (نہایۃ المحتاج، شمس الدین، محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ ابن شہاب الدین، الرملی، (م۱۰۰۴ھ) کتاب الرھن، ۴/۲۲۸، ط/المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبھا الحاج ریاض الشیخ، بدون المدینۃ۔

۱۰۔ کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، الامام، عبد الرحمٰن الجزیری، کتاب الرھن، ۲/ ۶۳۹، ط/الثانی ۱۹۷۸ء، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۱۱۔ Dictionary Of Islamic Terms by Deeb Al-Khudrawi P.207-208,Al Yamama Printing and Publishing, Damascus P.O.Box 337 Edition /1st,2004 AD.

۱۲۔ کتاب التعریفات، باب الراء، ص/۱۱۲۔

۱۳۔ المجلۃ، مادہ ۷۰۱/ص/۱۵۷، ط/ بدون تاریخ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی۔

۱۴۔ البقرۃ/۲۸۳۔ اس کے علاوہ سورۃ الطّور آیت ۲۱ اور سورۃ المدثر آیت ۳۸ میں رہن کے الفاظ ملتے ہیں جن سے اس کے لغوی معانی کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۵۔ السنن الکبریٰ، الامام، الحافظ، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی البیہقی (م۴۵۸ھ)، کتاب الرھن، باب جوازالرھن، ۳۶/۶، ط/بدون تاریخ ، دار الفکر بیروت، لبنان)

۱۶۔ احناف کے نزدیک صاع کی مقدار ۳۲۶۱.۵ گرام جبکہ جمہور کا صاع ۲۱۷۲گرام کا ہے۔ (معجم لغۃ الفقہاء، الدکتور، محمد رواس قلعہ جی، و الدکتور، حامد، صادق، قنیبی، حرف الالف، ص/۲۷۰، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، اشرف منزل، د/۴۳۷، کراتشی، باکستان)۔

۱۵۔ سنن ابن ماجہ، الامام ابو عبداللہ، محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (م ۲۷۳ھ)، ابواب الرھون، ص/۱۷۸، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی۔

۱۸۔ صحیح البخاری، الامام ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۵۶ھ)، باب الرھن فی الحضر ، ۳۴۱/۱، ط/۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء، وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ باسلام آباد۔ سنن النسائی، الحافظ الامام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی (م ۳۰۳ھ)، کتاب البیوع، باب الرھن فی الحضر ، ۱۹۶/۲، ط/بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی)۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الرھون، ص/۱۷۸۔

۱۹۔ (سنن ابن ماجہ، ابواب الرھون، ص/۱۷۸)۔

۲۰۔ صحیح البخاری، باب الرھن مرکوب ومحلوب، ۳۴۱/۱، رقم الحدیث/۲۳۴۶۔

۲۱۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، ۳۸/۶۔

۲۲۔ السنن الکبریٰ، باب من قال الرھن مضمون، ۴۰/۶۔ متعدد اسناد کے ساتھ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (التعلیق المغنی علی سنن دارالقطنی، ابوالطیب، محمد شمس الحق العظیم آبادی، ۳۲/۳ /رقم الحدیث/۱۲۳، ط/ بدون تاریخ، نشرالسنۃ ملتان، باکستان)۔ (کتاب المراسیل ملحق بسنن ابی داؤد، ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی الازدی (۲۰۲۔۲۷۵ھ) ص/۱۱/ حدیث ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ط/۱۹۸۴م وارۃ التعلیم الفیدرالیۃ باسلام آباد۔

۲۳۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، باب من قال الرھن مضمون، ۴۱/۶۔

۲۴۔ یہ حدیث مرسل ہے (السنن الکبری، کتاب الرھن، باب من قال الرھن مضمون، ۴۴/۶)۔

۲۵۔ عین الھدایۃ، (اردو)، مترجم، السید، امیر علی، کتاب الرھن، ۴۴۹/۴، ط/بدون تاریخ، ادارہ نشریات اسلام، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد، ابوالولید، محمدبن احمدبن محمدبن احمدبن رشد،القرطبی (م۵۹۵ ھ) کتاب الرھون، ۲۴۵/۱ ، ط/المکتبۃ التجاریۃالکبری بمصر ص ب ۵۷۸۔ المغنی، ابو محمد، عبداللہ بن

احمد بن محمد بن قدامہ، المقدسی الحنبلی (م۶۲۰ھ) کتاب الرھن، ۳۶۲/۴، ط/بدون تاریخ، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ بالریاض۔ موسوعۃ الاجماع فی الفقۃ الاسلامی، سعدی ابو جیب، مادہ/رہن/۲/۴۹۷، ط/ الثالثۃ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ام، دار الفکر دمشق۔

۲۶۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۲۴۵/۱۔ المغنی، کتاب الرھن، ۳۶۲/۴۔

۲۷۔ موسوعۃ الاجماع، مادہ/رہن/ ۲/۴۹۷۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۲۴۵/۱۔

۲۸۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۲۴۵/۱۔ المھذب، الامام ابواسحاق، ابراھیم بن علی بن یوسف، الفیروز آبادی الشیرازی ،کتاب الرھن، ۳۰۵/۱، ط/بدون تاریخ، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاہٗ بمصر۔ المغنی، کتاب الرھن، ۳۶۲/۴۔

۲۹۔ اشرف ھدایہ، اردو شرح ھدایۃ، مولانا، جمیل احمد، سکروڈوی، کتاب الرھن، ۱۴۵/۱۴، ط/بدون تاریخ، مکتبۃ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان، پاکستان۔

۳۰۔ اسلامی مالیاتی طریقہ کار بلاسود بنکنگ، محمد حفیظ ارشد ملک، ص/۱۳۰، ط/۲۰۰۵ء، الحفیظ ویلفیئر ٹرسٹ رجسٹرڈ اسلام آباد۔

۳۱۔ فقہی مقالات، مفتی، محمد تقی العثمانی، ۹۲/۱، ط/۱۹۹۴ام، میمن اسلامک پبلشرز ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

۳۲۔ ۱۸۸۲ء کے قانون انتقال جائیداد میں رہن کی اس قسم کو رہن خالص یا سادہ رہن (Simple Mortgage s.58,b) کا نام دیا گیا ہے (قانون انتقال جائیداد ایکٹ۲ ۱۸۸ ، مرتبہ چوہدری صغیر احمد ایڈووکیٹ، ص/۱۸۷، ط/سن ندارد، منصور بک ہاؤس کچہری روڈ انارکلی لاہور)۔ ۱۸۸۲ کے قانون انتقال جائیداد میں چند مزید اقسام رہن ہیں مثال کے طور پر رہن بذریعہ حوالہ دستاویز حقیت، جس میں مرہونہ پراپرٹی کے محض کاغذات کو رہن رکھا جاتا (قانون انتقال جائیداد، سید اظہار حیدر رضوی، ص/۹۶۔۹۷) ''رہن دخلی'' کی ایک قسم ہے جس میں رہن کو قبضہ میں دیا جاتا ہے مگر اس میں خرابی یہ ہے کہ اس میں مرتہن کو رہن سے انتفاع اور سود لینے کا حق دیا گیا ہے (قانون انتقال جائیداد، چوہدری صغیر احمد، ص/۱۳۰۔ قانون انتقال جائیداد، سید اظہار حیدر رضوی، ص/۹۴۔۹۵) رہن سے انتفاع کی اجازت اور سود لینا واضح طور پر شریعت میں ممنوع ہے۔ ''رہن غیر معمولی یا رہن شاذ''، رہن کی اس قسم راہن اور مرتہن کے حقوق و ذمہ داریاں اس رواج کے تحت ہوتی ہیں، جو اس علاقے میں رائج ہوں، رہن نامہ کی تحریر میں رواج کا اثر پایا جاتا ہے (قانون انتقال جائیداد، سید اظہار حیدر رضوی، ص/۹۴۔۹۵) رسم و رواج کی پابندی تب ہوتی ہے جب وہ شریعت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہوں(مقالہ نگار)۔

۳۳۔ اسلامی بینکاری اور غرر، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی، ص/۹۳، ط/۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶ء، ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔

۳۴۔ مضاربت سود کا اہم متبادل، ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم، ص/۱۱۶، ط/اول، ۱۹۹۸ام، مکتبہ قاسمیہ ، ملتان، پاکستان۔

۳۵۔ البقرۃ/۲۸۳۔

۳۶۔ جواھر العقود ومعین القضاۃ والموقعین والشھود، العلامہ، شمس الدین، محمد بن احمد، المنہاجی، الاسیوطی من القرن التاسع الھجری، کتاب الرھن، ۱۵۲/۱، ط/الاولی ۱۳۷۴ ھ/ ۱۹۵۵ام، مطبعۃ المحمدیہ۔بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۲۴۵/۱۔ تفسیرالبحرالمحیط، ابوحیان: محمدبن یوسف الاندلسی الغرناطی (۶۵۴ھ۔۷۵۴ھ)، ۳۵۵/۲، ط/الثانیہ۱۴۰۳ھ/

۱۹۸۳م ، دارالفکر للطبع و النشر و التوزیع۔ موسوعۃ الاجماع، مادہ /رہن /۲/۹۷۔۴۹۸

۳۷۔ چودھویں رپورٹ، ص/ ۱۴۹، ط/۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ام، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد، پاکستان۔

۳۸۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں: فقہی مقالات جلد۱، ص۸۱ تا ۱۳۸ میں ملاحظہ ہو۔

۳۹۔ فقہی مقالات، ۱/۹۲۔۹۳۔

۴۰۔ اہم فقہی فیصلے، ترتیب و پیشکش، مجاہد الاسلام قاسمی، ص/۱۰۰، ط/دوم نومبر ۱۹۹۹ام، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ڈی/۴۳۷، ایسٹ لسبیلہ، کراتشی، پاکستان

۴۱۔ جدید معاملات کے شرعی احکام، مفتی احسان اللہ شائق، ۱/۹۳، ط/فروری، ۲۰۰۷ء، دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان۔

۴۲۔ چودھویں رپورٹ، ص/۱۴۹۔

۴۳۔ اسلامی بینکاری اور غرر ص/۹۳۔ قانون انتقال جائیداد ۱۸۸۲ء میں بار یا چارج کو رہن کی ایک قسم قرار دیا گیا اور اس میں ادائیگی قرض کی ذمہ دار ی جائیداد قرض پر ڈالی جاتی ہے (قانون انتقال جائیداد، سید اظہار حیدر رضوی، ص /۹۴۔۹۵)۔

۴۴۔ قسطوں پر خرید و فروخت، مرتبہ، مجاہد الاسلام قاسمی، ص/۳۲۷، ط/اول ۲۰۰۲م، ادارۃ القرآن، کراچی نمبر ۵

۴۵۔ رہن بیع بالوفاء ۱۸۸۲ء کے قانون انتقال جائیداد میں مروج ہے۔ اس میں اگر راہن زر رہن ادا نہ کر سکے تو رہن نامہ بیع نامہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مشتری کو رہن کا مستحق قرار دیا جاتا ہے (قانون انتقال جائیداد، چوہدری صغیر احمد، دفعہ، ۵۸/ ص/۱۲۰۔) جو کہ غلق رہن ہے اور شریعت میں اس کی ممانعت ہے، ۱۸۸۲ء کے قانون انتقال جائیداد میں رہن کی ایک اورقسم کا ذکر ملتا ہے جو بیع الوفاء سے ملتی جلتی ہے اس کو انگریزی میں رہن کا نام دیا گیا ہے ،اس مرتہن کو راہن کے قرض لوٹانے تک قبضہ دیا جاتا ہے، وہ بیع تو کر سکتا ہے مگر رہن کا تقاضا نہیں کر سکتا (قانون انتقال جائیداد، سید اظہار حیدر رضوی، ص /۹۵۔۹۶۔ قانون انتقال ملکیت، ص/۶۷)۔ جب راہن بظاہر منقولہ (Movable) شے مرہون کو اس شرط پر فروخت کرے، کہ اگر وہ مقررہ مدت تک قرض ادا نہ کر سکا، تو بیع نافذ ہو جائے گی اور مدت کے اندر ادائیگی قرض کی صورت میں مشتری (Customer) جائیداد بائع (Seller) کو واپس منتقل کر دے گا، اس کو بیع بالوفاء اور مرتہن کو مرتہن بیع بالوفاء (Mortgage by the way of Condition Sale) کہتے ہیں۔ اس کو بیع بشرط واپسی بھی (Sale with the Condition of repurchase) کہتے ہیں (قانون انتقال جائیداد، چوہدری صغیر احمد، دفعہ، ۵۸/ ص/۱۲۰)۔

۴۶۔ جدید معاملات کے شرعی احکام، ۱/۶۹۔

۴۷۔ شرح مجلّہ للا تاسی، مترجمہ، مفتی امجد العلی، دفعہ/ ۲ ۳/ص/۱۰۰، اشاعت / اول، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ام، ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد پاکستان۔ ردالمحتار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار، ابن عابدین الشامی (ت ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۱۰ م)، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۸۱۔۵۸۰، ط/ بدون تاریخ، مکتبۃ رشیدیۃ سرکی روڈ، کوئٹہ، پاکستان۔

۴۸۔ المجلۃ، مادۃ / ۱۱۸، ص/ ۳۹۔

۴۹۔ فتاوی خیریۃ، کتاب البیوع، ۱/ ۲۲۵، دار المعرفۃ، بیروت۔

۵۰۔ شرح المجلۃ (عربی) الاتاسی، ۲/۱۱۔(۴) العقود الدریۃ، ابن عابدین شامی (م۱۲۵۲ھ) کتاب النکاح، باب الولی، ۱/۱۸، و کتاب الرھن، ۲/۲۵۴، ارگ بازار قندھار، افغانستان۔

۵۱۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، الامام، احمد رضا، خان، الرضوی، البریلوی (م ۱۳۴۰ھ) کتاب البیوع، باب بیع الوفاء، ۱۷/ ۴۴-۶۴۵، ط/۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔

۵۲۔ رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۵۸۱۔

۵۳۔ رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۵۸۰۔

۵۴۔ شرح المجلۃ (عربی) الاتاسی، ۲/۴۱۵۔

۵۵۔ الفتاوی الھندیۃ، کتاب البیوع، مطلب بیع الوفاء، ۳/۲۰۹۔

۵۶۔ جدید معاملات کے شرعی احکام، ۱/۶۹۔

۵۷۔ رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۵۸۲۔

۵۸۔ رد المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، مطلب فی الشرط الفاسد، ۷/۲۸۲۔ الفتاوی الخیریہ، کتاب البیوع ۱/۲۲۶۔

۵۹۔ رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۸۲-۵۸۱۔

۶۰۔ فتاوی رضویہ، کتاب البیوع، باب بیع الوفاء، ۱۷/ ۶۴۶۔

۶۱۔ صحیح البخاری، کتاب الاجارات، باب اجر السمسرۃ، ۱/ ۳۰۳۔

۶۲۔ المجلۃ، مادۃ / ۱۱۸، ص/ ۳۹۔

۶۳۔ رد المحتار علی الد رالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۸۰-۵۸۱۔

۶۴۔ رد المحتار علی الد رالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۵۸۰۔

۶۵۔ شرح مجلّہ (اردو)، الاتاسی، دفعہ/ ۳۲/ص/۱۰۰۔ ردالمختار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الوفاء، ۷/۵۸۰۔

۶۶۔ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار، ۳/۱۹۲۔

۶۷۔ چودھویں رپورٹ ص/۱۴۹-۱۵۰

۶۸۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی، ص/۲۱، ط/۱۴۲۷ھ۔دسمبر ۲۰۰۶ء ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔

۶۹۔ اہم فقہی فیصلے، ص/ ۲۶-۲۷

۷۰۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/۲۱۔

۷۱۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/۵۹۔

۷۲۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص/۵۹، ط/دوم، دسمبر ۱۹۹۷ء، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد۔

۷۳۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، مفتی محمد تقی عثمانی، ص/۱۳۳، ط/بدون تاریخ، مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد، پاکستان۔

۷۴۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/۶۱۔

۷۵۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/۶۱۔

۷۶۔ غرر کی صورتیں، ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ص/۳۶۳، ط/۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷م، ادارۃ المعارف، کراچی۔
۷۷۔ المبسوط للامام السرخسی، کتاب الرھن، ۲۱/۷۰، ط/الثالثۃ بدون تاریخ، دار المعرفۃ للطباعۃ و النشر بیروت، لبنان۔
۷۸۔ اسلامی بینکاری اور غرر، ص/۹۳۔
۷۹۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۴۷۔
۸۰۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۴۹۔
۸۱۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص/۵۴۔
۸۲۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص/۵۶۔
۸۳۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۱۹۵۔
۸۴۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۱۹۴۔
۸۵۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص/۱۹۔
۸۶۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۲۰۲۔
۸۷۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص/۲۰۲۔
۸۸۔ اسلامی مالیاتی طریقہ کار، ص/۴۱۔
۸۹۔ جدید معاملات کے شرعی احکام، ۱/۸۸
۹۰۔ فقہی مقالات، مفتی، محمد تقی العثمانی، ۱/۸۷
۹۱۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، چھٹا البرکہ سیمینار فتوی نمبر۲۴، ص/ ۲۲
۹۲۔ جامع ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی (م ۳۹۸ھ) ۱/۱۴۷، ط/ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان۔
۹۳۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، چھٹا البرکہ سیمینار فتوی نمبر۲۴، ص/ ۲۲
۹۴۔ نیل الاوطار، محمد بن علی بن محمد الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ)، ۵/۱۷۲، ط/ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱م، شرکۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔
۹۵۔ فقہی مقالات، ۱/۸۷۔
۹۶۔ ترمذی، کتاب البیوع، باب/ ۱۸ ، رقم حدیث/۱۳۳۱ ۔
۹۷۔ المبسوط، شمس الدین السرخسی، ۸/۱۲۔ مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۱۳۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر، الشیخ محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی (م۱۲۳۰ھ)، ۳/۵۸، ط/الاولی ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶م، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان۔
۹۸۔ قسطوں پر خرید و فروخت کے شرعی احکام، مرتبہ، مجاہد الاسلام قاسمی، مقالہ ادھار اور بالاقساط خرید و فروخت از خالد سیف اللہ، رحمانی، ص/۱۳۔۱۴، ط/اول ۲۰۰۲م، ادارۃ القرآن، کراچی نمبر ۵، پاکستان۔ اہم فقہی فیصلے، ص/۱۱۷۔۱۱۹۔
۹۹۔ الفتاوی العالمکیریۃ المعروف بالفتاویٰ الہندیۃ، تألیف، العلامۃ الشیخ نظام، کتاب البیوع، باب الرابع فی حبس المبیع، ۳/۱۵، ط/بدون تاریخ، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ ۔
۱۰۰۔ فقہی مقالات، ۱/۸۸۔۸۹۔
۱۰۱۔ رد المحتار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار، کتاب الرھن، باب ما یجوز ارتھانہ ومالایجوز ، ۱۰/۱۰۹۔

۱۰۲۔ رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الرھن، باب ما یجوز ارتہانہ ومالا یجوز، ۱۰/۱۰۹۔

۱۰۳۔ فقہی مقالات، ۱/۸۸۔۸۹۔

۱۰۴۔ الجامع الصغیر، الحافظ، ابو عبداللہ، محمد بن الحسن الشیبانی (۱۳۲ھ۔۱۸۹ھ)، کتاب الرھن، ص/ ۴۰۲، ط/بدون تاریخ، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، دی/۷۔۴۳۷۔ ایست ۵، کراتشی، باکستان۔

۱۰۵۔ رد المحتار علی الدرالمختارلمتن تنویر الابصار، کتاب الرھن، باب ما یجوز ارتہانہ ومالا یجوز، ۱۰/۱۰۹

۱۰۶۔ فقہی مقالات، ۱/۸۸۔

۱۰۷۔ المغنی، ابو محمد، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المقدسی الحنبلی (م۶۲۰ھ) کتاب الرھن ۴/۴۲۰، ط/بدون تاریخ، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ بالریاض۔

۱۰۸۔ المغنی، کتاب الرھن ۴/ ۴۲۷۔

۱۰۹۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، مفتی محمد تقی عثمانی، ص/۱۰۵۔

۱۰۰۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، مفتی محمد تقی عثمانی، ص/۱۰۶۔

۱۱۱۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔ المہذب، الامام ابواسحاق، ابراھیم بن علی بن یوسف، الفیروز آبادی الشیرازی، کتاب الرھن، ۱/۳۰۵۔ المغنی، کتاب الرھن، ۴/۳۶۲۔

۱۱۲۔ مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۳۷۔۱۳۶۔ المھذب، الشیخ، ابواسحاق، ابراھم بن علی بن یوسف الفیروز ابادی الشیرازی، کتاب الرھن، ۱/۳۱۶، ط/بدون تاریخ، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی و شرکاہء بمصر۔ کشاف القناع، ۳/۳۴۱۔ جواھر العقود، کتاب الرھن، ۱/۱۵۶۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/ ۲۶۷۔۲۶۸

۱۱۳۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/ ۲۴۷۔ المغنی، کتاب الرھن، ۴/ ۴۳۸۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/ ۲۶۸۔

۱۱۴۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/ ۲۴۷۔ المغنی، کتاب الرھن، ۴/ ۴۳۸۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/ ۲۶۷۔۲۶۸

۱۱۵۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، باب من قال الرھن مضمون، ۶/ ۳۹

۱۱۶۔ شرح السنۃ، ابو محمد، الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (۴۳۶۔۵۱۶ھ) باب الرھن، باب الانتفاع بالرھن ۸/۱۸۵، ط/الثانیۃ ۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳م، المکتب الاسلامی بیروت۔ نور الھدایۃ ترجمہ اردو شرح وقایہ، مولوی وحید الزمان فاروقی لکھنوی، کتاب الرھن، ۴/۹۵۰، ط/۱۹۵۵م، ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔ بدائع الصنائع (اردو) کتاب الرھن، ۶/۳۸۲۔

۱۱۷۔ السنن الکبری، باب من قال الرھن مضمون، ۶/۴۰۔ متعدد اسناد کے ساتھ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (التعلیق المغنی علی سنن دار القطنی، ابوالطیب، محمد شمس الحق العظیم آبادی، ۳/ ۳۲ /رقم الحدیث/۱۲۳، ط/ بدون تاریخ، نشرالسنۃ ملتان، باکستان)۔ (روہ ابو داؤد فی المراسیل، ص/۱۱/ حدیث ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹)۔ اس حدیث کو امام طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ ابو الزناد سے روایت کیا ہے (شرح معانی الآثار، ابوجعفر، احمد بن محمد، الازدی، المصری، الطحاوی (۲۳۹۔۳۲۱ھ)، کتاب الرھن، باب الرھن یھلک فی ید المرتھن، ۲/۲۳۳، ط/بدون تاریخ، مکتبہ حقانیہ، ملتان، باکستان)۔

۱۱۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الرجل یرھن الرجل فیھلک، ۴/ ۵۲۴، رقم الحدیث/ ۲۲۷۸۵۔ کتاب المراسیل،

الامام، ابو داؤد، ص/۱۰۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، باب من قال الرھن مضمون، ۶/۴۱۔ عبد الحق نے کہا کہ یہ مرسل اور ضعیف ہے، ابن القطان نے کہا کہ مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر ضعیف اور کثیر الغلط ہیں اگرچہ وہ صدوق ہیں (نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ، جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی (م ۷۶۲ھ) کتاب الرھن، ۴/۳۲۱، ط / ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان)۔ اکثریت نے اس کو ضعیف قرار دیا، ابن حبان نے ضعفاء میں لکھا، مگر ان کو ثقات میں داخل کیا (عین الھدایۃ، کتاب الرھن، ۴/۴۵۳)۔

۱۱۹۔ تفسیر الجصاص، باب ضمان الرھن، ۱/۵۲۷۔

۱۲۰۔ موسوعۃ الاجماع، مادہ /رہن/ ۲/ ۴۹۹۔ کتاب المعاملات الشرعیۃ المالیۃ، احمد ابراھیم بک، استاذ الشریعۃ الاسلامیۃ بکلیۃ الحقوق، کتاب الاموال، ص /۱۴، ط/ ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶م، بدون المکتبۃ۔ التذھیب فی ادلۃ متن الغایۃ والتقریب (متن ابی شجاع) تالیف الدکتور مصطفیٰ د یب البغا، ص/۱۳۲، ط /الثالثۃ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵م، مؤسسۃ، علوم القرآن، سوریا، دمشق۔

۱۲۱۔ الھدایۃ اخرین، کتاب الرھن، ۲/۵۱۹۔

۱۲۲۔ شرح السنۃ، باب الانتفاع بالرھن، ۸/۱۸۳۔ شرح معانی الآثار، کتاب الرھن، ۲/۲۳۱۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدر دیر، باب فی الرھن، ۴/۳۹۸۔ کتاب الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، شرف الدین، الحسین ابن احمد بن الحسین، الیساغی الیمنی، الصنعانی (م۱۲۲۱ھ)، باب الرھن، ۳/۳۷۵، ط/ بدون تاریخ، دار الجیل، بیروت، لبنان۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/ ۲۵۳۔

۱۲۳۔ صحیح البخاری، باب الرھن مرکوب ومحلوب، ۱/۳۴۱، رقم الحدیث /۲۳۴۶۔

۱۲۴۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، باب من قال الرھن مضمون، ۶/۴۴۔

۱۲۵۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، ۶/۳۸۔

۱۲۶۔ شرح معانی الآثار، کتاب الرھن، ۲/۲۳۱۔ رد المحتار علی درالمختار، کتاب الرھن، ۱۰/۸۶۔۸۵ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/ ۲۵۳۔

۱۲۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/۲۵۴۔

۱۲۸۔ حاشیۃ الدسوقی، باب فی الرھن، ۴/۳۹۱۔

۱۲۹۔ الام، ابو عبداللہ، محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)، کتاب الرھن، ۳/۱۶۵، ط/بدون تاریخ، دارالمعرفۃ بیروت لبنان

۱۳۰۔ تبیان القرآن، غلام رسول رضوی، ۱/۱۰۶۴، ط/۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹م، فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار، لاہور۔

۱۳۱۔ بدائع الصنائع (عربی)، کتاب الرھن، ۶/۱۴۶۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، العلامۃ، بدرالدین، ابو محمد، محمود بن احمد العینی (م۸۵۵ھ/۱۴۵۱م)، کتاب الرھن فی الحضر، باب الرھن مرکوب ومحلوب، ۱۳/۷۳، ط/دار الاحیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

۱۳۲۔ کتاب الفقہ علی المذھب الاربعۃ، کتاب الرھن، ۲/۶۷ ۔۶۷۵۔ بدایۃ المجتھد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۷۔ کتاب الفروع، شمس الدین ابو عبداللہ، محمد بن مفلح المقدسی (م۷۶۳ھ)، باب الرھن، ۴/۲۲۵، ط/الثانیۃ، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲م، دار مصر للطباعۃ ۳۷ شارع کامل صدقی الفجالۃ

۱۳۳۔ حاشیہ نمبر 20 ملاحظہ ہو۔

۱۳۴۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ڈاکٹر، مولانا،اعجاز احمد، صمدانی، ص/۱۱۹، ط/۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔

۱۳۵۔ شرح مجلّہ، الاتاسی، دفعہ/۸۳/ص/۳۵۸۔

۱۳۶۔ چودھویں رپورٹ ص/ ۸۵۔

۱۳۷۔ امداد الفتاوی، مولانا، اشرف علی تھانوی، مولانا، مفتی محمد شفیع، کتاب الرھن، ۳/۴۵۹، ط/سوم ۱۳۹۷ھ، مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔تفسیر القرطبی، ۳/۲۶۶۔

۱۳۸۔ فتح القدیر، کتاب الحوالہ، ۶/۳۵۶، ط/مکتبہ رضویہ، سکھر۔

۱۳۹۔ المدونۃ الکبری، الامام، انس بن مالک، الاصبحی (م ۱۷۹ھ)، کتاب الرھن، ۴/۱۶۳، ط/۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶م، دارالفکر للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان۔

۱۴۰۔ السنن الکبری، ۵/۳۵۰، حدیث/۱۰۷۱۵۔

۱۴۱۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ۲/۳۳۴۔

۱۴۲۔ الام، باب یفسد من الرھن من الشرط، ۳/ ۱۵۵۔

۱۴۳۔ شرح المھذب، ۳/۲۳۵۔

۱۴۴۔ المدونۃ الکبری، کتاب الرھن، ۴/۱۶۳۔

۱۴۵۔ بجیرمی علی الخطیب، الشیخ، سلیمان البجیرمی، ۳/۶۱، ط/۱۳۹۸ ھ/۱۹۷۸م، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان۔ مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۱۲۲۔ المغنی، کتاب الرھن، ۴/۴۲۳، ۴۲۷۔

۱۴۶۔ شرح المھذب، ۳/۲۳۵۔

۱۴۷۔ مختار الصحاح، اما م محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی، مترجم، پروفیسر عبد الرزاق، باب العین، ص/۵۹۷، ط/ ۲۰۰۳ء، دارالاشاعت اردو بازار ایم جناح روڈ کراچی، پاکستان۔

۱۴۸۔ المفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم، الحسین بن محمد، الراغب، الاصفہانی، (م ۵۰۲ھ)، کتاب العین، مادہ /عرف/ص/۳۳۱، ط/بدون تاریخ، نور محمد، کار خانہ تجارت، کراچی۔

۱۴۹۔ معجم لغۃ الفقہاء، حرف العین /ص/ ۳۰۹۔

۱۵۰۔ کتاب التعریفات، باب العین، ص/۱۰۶۔

۱۵۱۔ عرف وعادت اسلامی قانون کی نظر میں، ساجد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر، ص/۳۰، ط/پہلی، ۱۹۹۱ء، ناشر اسلامک پبلیکیشنز ۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔

۱۵۲۔ معجم لغۃ الفقہاء، حرف العین /ص/ ۳۰۹۔

۱۵۳۔ احکام القرآن، ابوعبداللہ، محمد بن ابی بکر بن فرح، الانصاری، الخزرجی، القرطبی، الاندلسی (م ۶۷۱ھ)، سورۃ الاعراف، الایۃ/ ۱۹۹، ۷/۲۲۰، ط/الثالث، ۱۳۸۷ھ، دارالکتب المصریۃ و دار الکتب العربی بیروت، لبنان ۔

۱۵۴۔ عرف اور معروف کے الفاظ جہاں جہاں استعمال ہوئے اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (عرف و عادت اسلامی قانون کی نظر میں، ص / ۲۷۔۲۸)۔

۱۵۵۔ جامع البیان، ابن جریر الطبری، ۳/۳۰، بذیل سورۃ الاعراف، آیت ۱۹۹، ط/ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰م، دار المعرفۃ للطباعۃ

والنشر بیروت، لبنان

۱۵۶۔ عرف و عادت اسلامی قانون کی نظر میں، ص/۱۵۔

۱۵۷۔ Development of usul-al-fiqh by Dr.Muhammad Yusuf Faruqi chap.v p.101,Ed./Ist,1995,Shariah Academy, International Islamic University Islamabad, Pakistan.

۱۵۸۔ تفسیر التحریر و التنویر، ۲/۵۸۴۔

۱۵۹۔ لسان العرب، ابن منظور (م۷۱۱ھ) ۱۳/۱۸۹، ط/ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸م، داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان۔ تاج العروس، السید محمد مرتضی الزبیدی، فصل الراء، باب النون، ۹/۲۲۲، ط/بدون تاریخ، دار لیبیا للنشر والتوزیع بنغازی۔ المحرر الوجیز، ۲/۵۲۵۔

۱۶۰۔ صحیح البخاری، باب رہن السلاح، ۱/۳۴۱۔

۱۶۱۔ الاعراف/۱۹۹۔

۱۶۲۔ اسلامی قانون کی تدوین، امین احسن اصلاحی، ص /۶۷، ط /۱۹۹۱م فاران فاونڈیشن ۱۲۲۔فیروز پورہ اچھرہ، لاہور۔

۱۶۳۔ البقرۃ/۱۸۰۔

۱۶۴۔ البقرۃ/۲۳۶۔

۱۶۵۔ البقرۃ/۲۳۳۔

۱۶۶۔ النساء/۶۔

۱۶۷۔ الام، للشافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)، کتاب الرھن، ۳/۱۸۶

۱۶۸۔ سیرت رسول عربیؐ، علامہ نور بخش توکلی، ص/۱۵۰، ط/ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔پاکستان

۱۶۹۔ Development of usul-al-fiqh by Dr.Muhammad Yusuf Faruqi chap.v pp.101,102.

۱۷۰۔ حاکم نے اس روایت کونقل کرتے ہوئے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر امام بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے (المستدرک للحاکم علی الصحیحین، ۳/۷۸، ط/ ۱۹۷۸م، بیروت) امام محمد نے اس حدیث کو الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اپنی کتاب مؤطا میں مرفوعاً بیان کیا ہے (المؤطا، ابو عبداللہ، محمد بن الحسن الشیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ) باب قیام شھر رمضان، ص/۱۴۴، ط/ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴م، مطبع مجتبائی، پاکستان، ۱۵ ہسپتال روڈ لاہور) اشباہ میں علامہ علائی کے حوالے سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں ملی نہ اصل کے اعتبار سے اور نہ کسی ضعیف سند کے ساتھ، یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے اور ان پر موقوف ہے اور اس کو امام احمد نے اپنی مسند (مسند، ۱/۳۷۹، ط/بیروت) میں بیان کیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر، العلامۃ، زین بن نجیم (م ۹۷۱ھ) القاعدۃ السادسۃ العادۃ محکمۃ، ص/۴۶، ط/بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل، پاکستان چوک، کراتشی)۔ بہار شریعت، ۳/۵۰۔

۱۷۱۔ فلسفہ شریعت اسلام، ڈاکٹر صبحی محمصانی، مترجم مولوی محمد احمد رضوی، ص/۲۴۸، ط/نہم، ۱۹۹۴ء، مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور۔ عرف و عادت اسلامی قانون کی نظر میں، ص/۱۰۔

۱۷۲۔ فلسفہ شریعت اسلام، ص/۲۴۸

۱۷۳۔ بہار شریعت، علامہ ، محمد امجد علی (م۱۳۷۶ھ) ۳/۵۰، ط/ ۲۰۰۳ء، شبیر برادرز اردو بازار، لاہور۔

۱۷۴۔ عرف و عادت اسلامی قانون کی نظر میں، ص/ ۵۴۔۵۵۔

۱۷۵۔ المجلۃ، مادۃ /۴۱، ۴۲، ص/۳۲۔

۱۷۶۔ اسلامی قانون کی تدوین، امین احسن اصلاحی، ص/۷۹۔

۱۷۷۔ عصرحاضر اور اسلام کا نظام قانون، ڈاکٹر محمد امین، ص/۴۴، ط/۱۹۸۹ء، ادارۃ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اردو بازار، لاہور۔

۱۷۸۔ اسلامی قانون کی تدوین، امین احسن اصلاحی، ص/۷۹۔

۱۷۹۔ تفسیرالقرآن العظیم، الحافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیرالقرشی، الدمشقی(م۷۷۴ھ)، سورۃ البقرۃ الایۃ/ ۲۳۳، ا/۳۷۸، ط/الاولی بدون تاریخ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت، لبنان۔

۱۸۰۔ اسلامی قانون کی تدوین، امین احسن اصلاحی، ص/۷۹۔

۱۸۱۔ فلسفہ شریعت اسلام ص/۲۵۲۔

۱۸۲۔ فلسفہ شریعت اسلام ص/۲۵۲۔۲۵۳

۱۸۳۔ المجلۃ، المقالۃ الثانیۃ فی القواعد الفقھیۃ، مادہ/ ۴۳، ص/۳۲۔ الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، الفن الاول، القاعدہ السادسۃ، ص/۴۹۔

۱۸۴۔ فتاویٰ الرضویۃ، ۲۵/۲۲۳

۱۸۵۔ احکام القرآن، ابو بکر، محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی (۴۶۸۔۵۴۳ھ) ۲/۱۰۱، بدون تاریخ، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، لبنان

۱۸۶۔ تفسیر الجصاص، ۲/ ۱۸۹، ط/ دارالمصحف، القاھرۃ۔

۱۸۷۔ اسلام اور سودی نظام، محمد آصف احسان، ص/۲۷، ط/جنوری ۱۹۹۸ام، فاران پبلیکیشنز، پی او بکس ۱۰۷۱، پیپلزکالونی نمبر۲، فیصل آباد

۱۸۸۔ فقہ السنۃ، السید السابق، الربوا، ۳/۱۳۶، ط/الاولی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، دارالکتاب العربی بیروت۔

۱۸۹۔ تفسیر الکبیر، الامام فخرالدین الرازی، ۷/۷۵، ط/الاولی ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ام، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان

۱۹۰۔ اٰل عمران /۱۳۰۔

۱۹۱۔ السنن الکبری ، ۵/۳۵۰، حدیث/۱۰۷۱۵۔

۱۹۲۔ المصنف، الامام، الحافظ الکبیر، ابوبکر، عبدالرزاق بن الھمام، الصعانی (۱۲۶ھ۔۲۱۱ھ)، حققہ حبیب الرحمٰن الاعظمی، باب قرض جر منفعۃ ۸/۱۴۵، ط/الثانیۃ ۱۴۰۳ ھ، المکتب الاسلامی، بیروت۔

۱۹۳۔ المصنف للصنعانی، باب قرض جر منفعۃ ۸/۱۴۵۔

۱۹۴۔ سود کی متبادل اساس، شیخ: شیخ محمود احمد، ص/۵۶، ط/اول، ۱۹۸۶ام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، لاہور۔

۱۹۵۔ المصنف للصنعانی، ۸/ ۱۴۵۔ السنن الکبری، کتاب الرھن، باب جاء فی زیادات الرھن، ۶/۳۹۔

۱۹۶۔ الموطا، مالک بن انس بن مالک، (۹۵۔۱۸۰ھ)، کتاب البیوع، باب ما لایجوز من السلف، ص/۶۱۳، ط/نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ، کراچی۔

۱۹۷۔ سود کی متبادل اساس، ص/۵۷۔

۱۹۸۔ الفتاویٰ الرضویۃ، ۲۲۳/۲۵۔

۱۹۹۔ شرح المجلۃ (عربی)، محمد خالد الاتاسی، ۱۹۶/۳، ط/بدون تاریخ، المکتبۃ الاسلامیۃ۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الدکتور، وھبۃ الزحیلی، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۲۵۶/۵، ط/الثالثۃ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹م، دارالفکر، سوریا، دمشق

۲۰۰۔ بدائع الصنائع، الامام ابوبکر بن مسعود الکاسانی (م۵۸۷ھ) کتاب القرض، ۳۹۵/۷،ط/۱۹۹۰ء، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔

۲۰۱۔ جامع الرموز، الامام، شمس الدین، محمد، الخراسانی، القھستانی (م ۹۶۲ھ اور ۹۵۵ھ) کتاب الرھن، ص/۵۸، ط/الثانیہ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱م، مکتبہ الاسلامیہ، کنبد قابوس، ایران۔

۲۰۲۔ رد المحتار علی درالمختار، کتاب الرھن، ۸۶/۱۰۔

۲۰۳۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، الامام، عبد الرحمن الجزیری، ۳۳۴/۲۔۳۳۵، ط/الثانی ۱۹۷۸ء، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور

۲۰۴۔ المغنی لابن قدامۃ، باب القرض، و القرض نوع من السلف، ۴/ ۲۱۱، ط/ ۱۴۰۵ھ، دار الفکر، بیروت۔

۲۰۵۔ شرح الکامل علی الصحیح للمسلم، الامام، ابوزکریا، یحی بن شرف، النووی (م۶۷۶ھ)، باب جواز الاقتراض الحیوان...... ۳۰/۲، ط/ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵م، طبع علی النفقۃ وزارۃ التعلیم الفیدرالیۃ، باسلام آباد۔

۲۰۶۔ فقہ السنۃ، القرض، ۱۶۵/۳۔

۲۰۷۔ سود، ص/۱۳۹۔

۲۰۸۔ بلا سود بنکاری، ڈاکٹرمحمد طاہر القادری، ص/۲۵، ط/اول ۱۹۸۵م، مرکزی ادارہ منہاج القرآن ۳۶۵ ایم ماڈل ٹاون، لاہور

۲۰۹۔ سود کی متبادل اساس، ص/۴۲۔

۲۱۰۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۲۳/۲۵

۲۱۱۔ رد المحتار علی الدر المختار، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ۲۲۳/۲۵

۲۱۲۔ المجلۃ، المقالۃ الثانیۃ فی القواعد الفقھیۃ، مادہ/ ۴۳، ص/۳۲۔ الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، الفن الاول، القاعدہ السادسۃ، ص/۴۹۔

۲۱۳۔ قسطوں پر خرید و فروخت، مرتبہ، مجاہد الاسلام قاسمی، ص/۵۳، ط/اول ۲۰۰۲م، ادارۃ القرآن، کراچی نمبر ۵

۲۱۴۔ رد المحتار علی الدر المختارلمتن تنویر الابصار، کتاب الرھن، ۸۷/۱۰۔ فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں لوگوں کی عادت تھی کہ وہ قرض دیتے اور بدلے میں انتفاع کرتے تھے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن ہمام نے رہن سے انتفاع کے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے۔

۲۱۵۔ الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، الفن الثانی، کتاب الرھن، ص/۱۶۰

۲۱۶۔ رد المحتار علی الدر المختارلمتن تنویر الابصار، کتاب الرھن، ۸۷/۱۰۔

۲۱۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۲۵۷/۵۔

۲۱۸۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۱۸/۲۵۔ امام احمد رضا البریلوی کا سن وفات، ۱۳۴۰ھ ہے، جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقریبا سو سال قبل برصغیر میں لوگوں کا یہ حال تھا (مقالہ نگار)۔

۲۱۹۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۵/ ۲۱۸۔
۲۲۰۔ فتاویٰ نذیریہ، سید، نذیر حسین بہاری، محدث دھلوی (۱۲۲۰ھ۔۱۳۲۰ھ/۱۸۰۵م۔۱۹۰۲م) کتاب الرھن، ۲/۲۷۳ط/سوم، ۱۴۰۹ھ۔ ۱۹۸۸م، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ گوجرانوالہ، پاکستان
۲۲۱۔ اشرف الھدایۃ، کتاب الرھن، ۱۴/ ۱۶۶۔۱۶۷۔
۲۲۲۔ بہار شریعت، کتاب الرھن، ۲/۱۳۷۔
۲۲۳۔ کفایت المفتی، مفتی محمد کفایت اللہ دھلوی، کتاب الدیون، ۸/۱۴۷، ط/ بدون تاریخ، مکتبہ امدایہ ملتان، پاکستان۔
۲۲۴۔ سنن ابن ماجہ، باب القرض، ص/۱۷۷
۲۲۵۔ نیل الاوطار، ۵/۲۳۱
۲۲۶۔ رد المحتار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار، کتاب الرھن، ۱۰/ ۸۷۔
۲۲۷۔ المغنی لابن قدامۃ، باب القرض، والقرض نوع من السلف، ۴/ ۲۱۱، ط/۱۴۰۵ھ، دارالفکر، بیروت
۲۲۸۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/۲۵۷
۲۲۹۔ الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ۲/ ٦٦٨
۲۳۰۔ المصنف للصنعانی، باب الرجل یھدی لمن اسلفہ ۸/۱۴۲
۲۳۱۔ نیل الاوطار، ۳/۶۱۷ فقہ الحدیث، ترجمہ و تشریح کتاب الدرر البھیہ للشوکانی، مترجم حافظ، عمران ایوب، لاھوری، باب القرض، ۲/۳۱۴، ط/ جولائی۲۰۰۴م، نعمانی کتب خانہ، لاہور
۲۳۲۔ المصنف للصنعانی، باب الرجل یھدی لمن اسلفہ ۸/۱۴۲
۲۳۳۔ المصنف للصنعانی، باب الرجل یھدی لمن اسلفہ ۸/۱۴۳۔
۲۳۴۔ نیل الاوطار ،کتاب القرض، ۵ /۲۴۶۔ کتاب الفقہ ، کتاب الرھن، ۲/۳۳۵۔
۲۳۵۔ کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ۲/۳۳۵۔
۲۳۶۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۵/۲۲۳۔
۲۳۷۔ شرط کی تین قسمیں ہیں، اولا: وہ شرط جو شرعاً جائز اور مفید ہو، ایسی شرط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ثانیاً: وہ شرط جو ممنوع ہو، ایسی شرط کو شرط فاسد کہتے ہیں۔ ثالثاً: وہ شرط جو شرعاً ممنوع نہ ہو، لیکن اس کی رعایت میں کوئی فائدہ بھی متصور نہیں ہوتا، ایسی شرط کو لغو کہتے ہیں (شرح مجلّہ، دفعہ/۸۳/ ص/ ۳۵۷)۔
۲۳۸۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۵/ ۲۱۸۔
۲۳۹۔ الفتاویٰ الرضویۃ، کتاب الرھن، ۲۵/۲۲۵-۲۲۶۔ البحرالرائق، زین بن ابراھیم بن محمد (۹۲۶۔۹۷۰ھ) کتاب الرھن، ۸/۲۷۱، ط/ بدون تاریخ، دارالمعرفۃ، بیروت
۲۴۰۔ قسطوں پر خرید و فروخت، ص/ ۳۱۔
۲۴۱۔ الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ۲/۳۳۴۔
۲۴۲۔ جامع الرموز، کتاب الرھن ، ص/۴۷۰۔
۲۴۳۔ الدر المختار، علاء الدین، محمد بن علی الحصکفی (م۱۰۸۸ھ) کتاب الحوالہ، ۲/۷۰ ط/بدون تاریخ، مطبع مجتبائی، دھلی۔
۲۴۴۔ امداد الفتاوی، کتاب الرھن، ۳/۴۵۹۔
۲۴۵۔ فتح القدیر، کتاب الحوالہ، ۶/۳۵۶، ط/مکتبہ رضویہ، سکھر۔

۲۴۶۔ قسطوں پر خرید و فروخت، ص/۵۳۔
۲۴۷۔ شرح المجلۃ، الاتاسی (عربی)، ۳/۱۹۶۔
۲۴۸۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/۲۵۶
۲۴۹۔ المؤطا لمحمد الشیبانی، ص/۳۵۶۔ سود کی متبادل اساس، ص/۵۶۔
۲۵۰۔ المؤطا لمحمد الشیبانی، ص/۳۵۶۔
۲۵۱۔ ردالمحتار علی درالمختار، کتاب الرھن، ۱۰/۸۶
۲۵۲۔ فقہ الحدیث، باب القرض، ۲/۳۱۴۔
۲۵۳۔ نیل الاوطا ر ۵/۳۵۰
۲۵۴۔ الصحیح لمسلم، الامام، مسلم بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ)، باب جواز الاقتراض الحیوان...... ۲/۳۰، طابع/ وزارۃ التعلیم الفید رالیہ، باسلام آباد۔
۲۵۵۔ صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض و اداء الدیون...... الخ، باب حسن القضاء، ۱/۳۲۲۔ مسند امام احمد بن حنبل، کتاب البیوع، ۳/۳۱۹۔
۲۵۶۔ صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ، باب اذا وکّل رجل ان یُعطی شیئًاولم یُبیّن کم یعطی فاعطیٰ علی ما یتعارفہ الناسُ، ۱/۳۱۰ ۔
۲۵۷۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابو الفضل ، احمد بن علی بن حجر، العسقلانی الشافعی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) ۱/۳۱۰، ط/ ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ م، المکتبۃ العصریۃ صیدا، بیروت۔
۲۵۸۔ بلا سود بینکاری، ڈاکٹر، محمد طاہر القادری، ص/۵۷۔
۲۵۹۔ المؤطا لمحمد الشیبانی، ص/۳۵۵
۲۶۰۔ الصحیح لمسلم مع شرح الکامل للنووی، باب جواز الاقتراض الحیوان...... ۲/۳۰۔

☆☆☆☆☆